

بارہ بھائی

۱۵



بارہ بھائی

بچوں کے لیے ناول

محمد یونس مسرت

Dedicated to Samina
Mubashar Sahiba

Rashid Ashraf
zest70pk@gmail.com
www.wadi-e-urdu.com

Courtesy: Farooq Ahmed
atlantis@cyber.net.pk



فیروز سنٹر

کراچی

راولپنڈی

لاہور

جنگل میں پھول

ایک روسی ڈراما "بارہ بیٹے" سے ماخوذ

مری، ایبٹ آباد اور اس کے ارد گرد کا علاقہ
اپنی خوب صورتی کے لیے بہت مشہور ہے۔ اونچی
نیچی پہاڑیاں، ہرے بھرے جنگل، رنگ برنگے پھول،
ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے اور دلکش قدرتی نظارے
اس علاقے کی جان ہیں۔ سردیوں میں یہاں برف پڑتی
ہے لیکن گرمیوں میں موسم خوش گوار ہوتا ہے۔ اسی
لیے میدانی علاقوں میں رہنے والے لوگ گرمیاں شروع
ہوتے ہی ادھر کا رخ کرتے ہیں اور گرمیوں کا موسم
اس علاقے کے مختلف مقامات پر گزارتے ہیں۔

عرصہ ہوا، اس علاقے میں ایک عظیم الشان رات
خانی جس پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس بادشاہ
کی ایک بی بی بیٹی تھی جس کا نام چندا تھا۔ چندا تھی

۶۱۹۷۵	-	-	-	-	دسویں بار
1500	-	-	-	-	تعداد
	-	-	-	-	مطبوعہ
	-	-	-	-	فروز سنز لمیٹڈ لاہور
	-	-	-	-	طابع
	-	-	-	-	عبدالحیدر خان
	-	-	-	-	قیمت



تو چاند کی طرح ہی خوب صورت لیکن جس طرح چاند پر ایک داغ ہے، اسی طرح چندا میں بھی ایک بڑا عیب تھا۔ وہ دوسروں کا کہنا بہت ہی کم مانتی تھی۔ بس جو اپنے جی میں آتا وہی کرتی۔

بادشاہ نے شہزادی کو تعلیم دینے کے لیے ایک ماسٹر مقرر کر رکھا تھا، لیکن چندا کی بے ڈھب طبیعت کی وجہ سے ماسٹر صاحب اُسے تعلیم دینے میں کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ ماسٹر صاحب پڑھانے بیٹھتے تو جب تک اُس کا دل چاہتا، پڑھتی اور جب اکتا جاتی تو کتاب بند کر دیتی۔ ماسٹر صاحب نے کبھی اس بارے میں بادشاہ سے شکایت نہیں کی۔ انھیں ڈر تھا کہ اگر میں نے بادشاہ سے شکایت کی تو کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ بس یہی سوچ کر ٹھیکے ہو رہتے وہ محل میں آتے، چندا پڑھنا چاہتی تو پڑھاتے ورنہ واپس چلے جاتے۔

پھر کرنا خدا کا کیا ہوا کہ بادشاہ ایک دن شکار کے لیے گیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ایک ہرن کا پیچھا کر رہا تھا کہ گھوڑے کو ٹھوکر لگی بادشاہ ٹوٹ کر زمین پر گرے اور گرتے ہی مر گیا۔ اُس کی موت پر محل

میں کئی دن تک سوگ منایا گیا۔ بادشاہ کی بیگم تو پہلے ہی فوت ہو چکی تھی۔ اب بادشاہ بھی انتقال کر گیا تو اس کے بعد چندا تخت پر بیٹھی کیونکہ اس کے سوا ریاست کا اور کوئی وارث نہیں تھا۔

چندا بخود پندرہ سال کی ہو گئی۔ اتنی عمر میں ریاست کا انتظام سنبھالنا اُس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ سارا کام وزیر اعظم اور دربار کے دوسرے نوکر کرتے تھے۔ لیکن چندا، جو اب ملکہ چندا بن گئی تھی، اپنے اٹلے سیدھے محکموں سے انھیں پریشان کرتی رہتی تھی۔ شاہی محل کے پاس ہی ایک چھوٹا سا شہر آباد تھا اور شہر سے کچھ فاصلے پر ایک جنگل تھا۔ سال کا آخری دن تھا اور سہ پہر کا وقت۔ ایک غریب لڑکی جس کا نام پھول تھا، جنگل میں لکڑیاں چننی پھر رہی تھی۔ درختوں اور جھاڑیوں پر جگہ جگہ برت پڑی ہوئی تھی، اور ہوا بھی تیز اور سرد تھی۔ اس لیے پھول کو لکڑیاں تلاش کرنے میں خاصی مشکل پیش آرہی تھی۔ اُس کی غالہ نے اُسے لکڑیاں لانے کے لیے بھیجا تھا پھول چاہتی تھی کہ شام ہونے سے پہلے پہلے لکڑیاں جمع کر کے گھر پہنچ جائے۔ وہ جانتی تھی کہ شام کے بعد ہوا

پھول کے غنیمت کی آواز سن کر خرگوش اور گلہری
نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سمجھتے
جھاڑیوں میں غائب ہو گئے۔ پھول ہنستی رہی اور
ہنستے ہنستے اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”اری لڑکی! تو کیوں ہنس رہی ہے؟“

یہ سن کر پھول چونکی اور اُس نے مڑ کر دیکھا۔
ایک بوڑھا سا شخص کندھے پر کھارڑی رکھتے اُس کے قریب
کھڑا تھا۔ اُس نے سپاہیوں کی سی وردی پہن رکھی تھی
بورے نے پھول کے پاس آ کر اُس کے کندھے پر ہاتھ
رکھتے ہوئے کہا۔

”کیوں ہنسنے جا رہی ہے لڑکی؟“

پھول: میرا نام لڑکی نہیں۔ پھول ہے جناب!
سپاہی نے شکر ادا کرتے ہوئے پھول کے کندھے پر تپکی
دی اور کہا۔

”دادہ! کیا پایا نام ہے۔ پھول کا نام پھول۔“

اور ہاں میرا نام بہادر ہے۔ لیکن تم کس بات پر ہنس
رہی تھیں پھول بیٹی؟

پھول: آپ کو میری بات کا یقین نہیں آئے گا
بہادر: میں سپاہی ہوں بیٹی اور ہم سپاہیوں نے اپنی

اور زیادہ سرد ہو جائے گی اور برف بھی پڑنے لگے گی
پھر گھر پہنچنا مشکل ہو جائے گا اور شاید گھر پہنچنے پر
غالبہ کے ہاتھوں مار بھی کھانی پڑے۔

پھول کے ماں باپ فوت ہو چکے تھے اور اب
اپنی دُور کی ایک غالبہ کے ہاں رہ رہی تھی۔ یہ عورت
بڑی خود غرض اور مطلبی تھی۔ پھول کو اکثر مارتی پٹیتی
رہتی تھی۔ اُس کی اپنی بھی ایک لڑکی تھی جس کا نام
موتی تھا۔ اُسے تو وہ بڑے آرام سے رکھتی تھی اور
گھر کا سارا کام بے چاری پھول کو کرنا پڑتا تھا۔ اُسے
نہ تو اچھا کھانا ملتا تھا اور نہ اچھا کپڑا۔ بچا کھیا کھا
اور پھٹے پڑانے کپڑے ہی اس کے حصے میں آتے تھے
اس وقت بھی اس نے ایک بھٹی پُرانی چادر اوڑھ لی
تھی۔ اور سر سے پاؤں تک کانپ رہی تھی۔

لکڑیاں چننے ہوئے وہ ایک جگہ آئی تو ایک خرگوش
اور گلہری کو آنکھ نچولی کھیلتے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ کبھی
خرگوش کسی جھاڑی میں جا چھپتا اور گلہری اُسے تلاش
کرتی۔ کبھی گلہری چھپ جاتی اور خرگوش اُسے ڈھونڈنے
لگتا۔ پھول انہیں یوں کھیلتے دیکھتے اور دوڑتے دیکھ
کر سردی کو بالکل بھول گئی اور قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

زندگی میں ایک نہیں بے شمار عجیب و غریب باتیں دیکھیں اور سُنی ہیں۔

پھول : لیکن ایسی عجیب بات آپ نے آج تک نہ دیکھی ہوگی اور نہ سُنی ہوگی یہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک خرگوش اور گھری آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔

بہادر : اچھا !

پھول : جی ہاں ! بالکل اس طرح جیسے انسانوں کے بچے کھیلتے ہیں۔

بہادر : بڑی حیرانی کی بات ہے۔

پھول : میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ آپ کو میری بات کا یقین نہیں آئے گا۔

بہادر : نہیں بیٹی ! کوئی اور دن ہوتا تو شاید مجھے تمہاری بات کا یقین نہ آتا۔ لیکن آج سال کا آخری دن ہے۔ اس لیے مجھے یقین ہے کہ تم بالکل سچ کہہ رہی ہو۔ میں نے اپنے دادا سے یہ بات سُنی ہے کہ آج کے دن ایسی ہی عجیب و غریب باتیں ہوتی ہیں اور یہ تو معمولی بات ہے۔ آج کے دن تو اس جنگل میں اس سے بھی زیادہ عجیب واقعات دیکھنے میں آتے ہیں۔

پھول : (حیرانی سے) کیسے واقعات ؟
بہادر : میرے دادا نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ ایک بار ان کے دادا نے سارے بارہ مہینوں کو اکٹھے ایک جگہ دیکھا تھا۔

پھول : (حیران ہو کر) سچ سچ !
بہادر : میں جھوٹ نہیں بولتا بیٹی ! اُنھوں نے سارے مہینوں کو اکٹھے اپنے سامنے دیکھا تھا۔ اُنھوں نے یہ بات اپنے بیٹوں کو بتائی اور پھر اُنھوں نے اپنے بیٹوں کو۔ اور اس طرح ہوتے ہوتے یہ بات مجھ تک پہنچی ہے۔

پھول : لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بارہ مہینے ایک ساتھ کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔ بھلا سردی کے ساتھ گرمی کیسے جمع ہو سکتی ہے !
بہادر : میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے تو جو بات معلوم تھی، وہ میں نے تمہیں بتا دی۔ لیکن تم مجھے یہ بتاؤ کہ اتنی سخت سردی میں یہاں کیوں آئی ہو ؟
پھول : میں اپنی مرضی سے نہیں آئی ہوں !
بہادر : تم کسی گھر میں ملازم ہو ؟
پھول : نہیں جناب !



بہاؤد: تو پھر تمہارے ماں باپ لے بھیجا ہو گا؟
 پھول: میرے ماں باپ نہیں ہیں۔ مجھے میری
 خالہ نے لکڑیاں لانے کے لیے بھیجا ہے۔
 بہاؤد: اوتو! تو تم یتیم ہو؟
 پھول: ہاں جناب! میرے ماں باپ فوت ہو چکے
 ہیں اور میں دور کے رشتے کی ایک خالہ کے پاس
 رہتی ہوں۔

بہاؤد: کیا نام ہے تمہاری خالہ کا؟
 پھول: رانی۔
 بہاؤد: تو تمہاری خالہ رانی بن کر خود گھر میں بیٹھی
 ہے اور تمہیں لکڑیاں لینے کے لیے بھیج دیا ہے۔
 پھول: ہاں جناب! اور میری خالہ کی ایک لڑکی
 بھی ہے۔
 بہاؤد: وہ بھی رانی ہی ہوگی۔ میں بھی رانی تو
 بھی رانی کون بھرے گا پانی۔
 پھول: پانی بھی میں ہی بھرتی ہوں جناب! موتی
 تو گھر کا کام بالکل نہیں کرتی۔
 بہاؤد: وہ کون ہے؟
 پھول: موتی میری خالہ کی لڑکی کا نام ہے۔ خالہ

اُس سے کوئی کام نہیں لیتی۔ گھر کا سارا کام مجھے کرنا پڑتا ہے۔

بہادر: تبھی تمہاری حالت یموں سے بھی بدتر نظر آتی ہے۔ یہ چادر جو تم نے اوڑھ رکھی ہے، جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی ہے۔ یہ جھلا تھیں سردی سے کہاں بچا سکتی ہے۔ آؤ میں تمہارا ہاتھ بٹاتا ہوں اس کے بعد اپنا کام کر لوں گا۔

یہ کہہ کر بہادر پھول کے ساتھ ہو لیا اور وہ دونوں جنگلی سے لکڑیاں چننے لگے۔ جب خاصی لکڑیاں جمع ہو گئیں تو بہادر نے کہا۔

بس اتنی لکڑیاں کافی ہوں گی تمہارے لیے۔ اس سے زیادہ تو تم اٹھا بھی نہیں سکو گی۔ اب میں اپنا کام کرتا ہوں۔

پھول: آپ کو یہاں کیا کام کرنا ہے؟
بہادر: مجھے کچھ شاخیں کاٹنا ہیں۔ خوبصورت اور بہری بھری شاخیں۔

پھول: آپ ان شاخوں کا کیا کریں گے؟
بہادر: کل نئے سال کا پہلا دن ہے۔ محل میں نئے سال کا جشن منایا جائے گا اور ان بہری بھری

شاخوں سے دروازے بنائے جائیں گے۔
پھول: اچھا! لیکن یہ شاخیں کس نے منگائی ہیں؟
بہادر: بہاری ملکہ چندا نے۔ میں شاہی محل میں ملازم ہوں اور ملکہ کے حکم سے یہاں آیا ہوں۔
پھول: پھر تو آپ کو جنگل کے تمام درخت کاٹنا پڑیں گے۔ آپ کو سارا محل سجانا ہو گا نا۔

بہادر: نہیں بیٹی! میں صرف شاہی تخت کے سامنے والے دروازے کو سجانا ہے۔ اچھا! تمہارا کام تو ہو چکا۔ اب مجھے کام کر لینے دو ورنہ ملکہ مجھے پھانسی کے تختے پر لٹکا دے گی۔ وہ کوئی عذر منسنے کی ردا دار نہیں۔

پھول: بالکل میری خالہ رانی اور موتی کی طرح۔ چاہے کوئی اپنی جان دے ڈالے، پھر بھی وہ خوش نہیں ہوتیں۔ کتنا ہی اچھا کام ہو، اس میں بھی کیرے ضرور نکال دیتی ہیں۔

بہادر: تمہیں صبر سے کام لینا چاہیے۔ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے اور مصیبت کے دن ہمیشہ نہیں رہتے۔ مصیبت کے بعد آرام اور دکھ کے بعد سکھ ضرور ملتا ہے بیٹی۔

Farooq Library

IV-B-4/3 Nazimabad

Karachi

ملکہ کا حکم

شاہی محل میں بوٹھے ماسٹر صاحب ملکہ چندا کو سبق پڑھا رہے تھے۔ ملکہ محل کی ایک گرسی پر بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے ایک چھوٹی سی میز تھی جس پر کتابیں، کاغذ، قلم اور دوات پڑی تھی۔ سامنے دیوار پر ایک تختہ سیاہ لگا ہوا تھا جس کا چوکھٹا خالص سونے کا تھا۔ سبق پڑھا چکنے کے بعد لکھنے کی باری آئی۔

ماسٹر صاحب : ملکہ حضور! اب میں آپ کو املا دکھواتا ہوں۔

ملکہ : مجھے لکھنے سے نفرت ہے ماسٹر صاحب! احمقہ اور انگلیاں سیاہی سے بھر جاتی ہیں۔

ماسٹر صاحب : (نرمی سے) آپ دُرست فرماتی

پھول : آپ کتنے اچھے ہیں۔ آپ نے لکڑیاں جمع کرنے میں میری مدد کی ہے۔ ابھی کچھ دن باقی ہے آیتے ہیں آپ کو ایک درخت دکھاؤں۔ وہ آپ کو مزور پسند آئے گا۔ اُس کی شاخیں بڑی گھنی اور بہری بہری ہیں۔

بہادر : چلو بیٹی !
اس کے بعد پھول اور بہادر درخت دیکھنے کے لیے ایک طرف کو پل دیے۔

وزیر اعظم : ملکہ عالیہ ! اگر آپ کو ناگوار نہ ہو
تو ان شاہی اعلانات پر دستخط فرما دیجیے ۔
ملکہ : ریزاری سے ، اب ماسٹر صاحب کے ساتھ
تم بھی لکھنے کا کام لے آئے ۔ اب میں دوسری سطر
نہیں لکھوں گی ماسٹر صاحب ! لاؤ مجھے دو یہ کاغذ ۔
ملکہ نے وزیر اعظم سے کاغذ لے کر ان پر دستخط
کر دیے ۔

وزیر اعظم : اگر آپ کو تکلیف نہ ہو حضور تو
یہاں ۔۔۔۔۔۔
ملکہ : (ٹوکتے ہوئے) کچھ اور لکھنا پڑے گا ؟
وزیر اعظم : زیادہ نہیں ۔ اس درخواست پر صرف
ایک لفظ لکھنا ہے ۔

ملکہ : کیا ؟
وزیر اعظم : دو لفظوں میں سے ایک لفظ !
پچانسی یا معافی !

ملکہ : پچانسی ۔ معافی ۔ میں پچانسی لکھوں گی ۔ یہ
لفظ آسان ہے ۔
ملکہ نے درخواست پر پچانسی کا لفظ لکھا ، اور
درخواست واپس وزیر اعظم کو دے دی ۔ وزیر اعظم

میں ملکہ حضور ! اسی لیے پُرانے زمانے کے لوگ لکھنے
کے بغیر ہی گزارا کرتے تھے اور محض دماغ سے اپنا
کام چلاتے تھے ۔ لیکن اُن کا کام کم ہوتا تھا ۔ اس لیے
کام چل جاتا تھا ۔ آپ کے کندھوں پر پودے ملک کا
بوجھ ہے ۔ اگر آپ لکھنا نہیں سیکھیں گی تو شاہی کاموں
میں گڑ بڑ ہو جائے گی ۔ آپ اس وقت زیادہ نہیں
صرف چار سطریں ہی لکھ لیجئے ۔
ملکہ : (بے دلی سے قلم اٹھاتے ہوئے) اچھا
لکھوائیے ۔

ماسٹر صاحب : لکھیے !

بہار آتی ہے وادی میں
لکھتے ہیں پھول باغوں میں
فضائیں مسکراتی ہیں
پرندے چھاتے ہیں

ملکہ : میں تو صرف پہلی دو سطریں ہی لکھوں گی
یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ وزیر اعظم چند کاغذات
لیے اندر آیا ۔ ملکہ لکھتے لکھتے رُک گئی اور وزیر اعظم
کی طرف دیکھا ۔ وزیر اعظم پہلے تو خجک کر آداب بجا
لایا ، پھر کہنے لگا ۔

ملکہ : اگر میں آپ کے کہنے پر چلوں ، تو
سوائے سوچنے کے اور کچھ بھی نہ کر سکوں ۔ ہر وقت
سوچتی رہوں اور سوچتے سوچتے پاگل ہو جاؤں ۔ یہ
بتائیے کہاں چھوڑا تھا سبق آپ نے ۔
شخص کی جان لے لی ۔

ملکہ : کیا مطلب ؟
ماسٹر صاحب : حضور ! آپ کو معلوم ہے کہ کریں گے حضور ! ذرا بتائیے تو سہی کہ 7×8 کتنے
ہوتے ہیں ؟

ملکہ : مجھے نہیں معلوم ۔ مجھے حساب سے
بالکل دلچسپی نہیں ۔ آپ کو اس سے دل چسپی ہے ؟
ماسٹر صاحب : ہاں حضور ! اس کے بغیر تو دنیا
کے کام ہی نہیں چل سکتے ۔

ملکہ : کتنی عجیب بات ہے ۔ اچھا خیر اب ہمارا
آج کا سبق ختم ہوتا ہے ۔ آج سال کا آخری دن ہے
ماسٹر صاحب : آپ نے بغیر سوچے سمجھے ایک آئی کل نئے سال کا جشن منانے کے لیے ہمیں ابھی
ہمت کیجئے کرنا ہے ۔

ملکہ : کیا ہے ؟
ماسٹر صاحب : آپ نے بغیر سوچے سمجھے ایک آئی کل نئے سال کا جشن منانے کے لیے ہمیں ابھی
ہمت کیجئے کرنا ہے ۔

ملکہ : تو کیا مجھے لکھنے کے ساتھ ساتھ سوچنا
بھی چاہیے ۔
ماسٹر صاحب : حضور ! آپ کو پہلے سوچنا چاہیے ۔
پھر لکھنا چاہیے ۔

بات میں مجھ سے اتفاق کریں۔

ماسٹر صاحب : میں وعدہ کرتا ہوں کہ آج کے بعد میں آپ کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہیں کروں گا۔

ملکہ : آپ وعدہ کرتے ہیں ! بہت خوب اس صورت میں ہم اپنا سبق پھر شروع کرتے ہیں۔ مجھ سے کچھ سوال پوچھیے۔

ماسٹر صاحب : ملکہ حضور ! 6×6 کتنے ہوتے ہیں ؟

ملکہ : (شکرا کر) گیارہ

ماسٹر صاحب : (غصیلین ہو کر) بالکل ٹھیک ہے ملکہ حضور ! اور اب بتائیے کہ 8×8 کتنے ہوتے ہیں ؟

ملکہ : تین !

ماسٹر صاحب : ٹھیک۔ ملکہ حضور ! اب بتائیے کہ

ملکہ : (ٹوک کر) اب آپ مجھ سے سوال ہی پوچھتے چلے جائیں گے ؟ کوئی دلچسپ بات کیوں نہیں سناتے ؟

ماسٹر صاحب : آپ کوئی دلچسپ بات سننا

ملکہ : میں کوئی عام لڑکی نہیں۔ اس ریاست کی ملکہ ہوں۔ ہر شخص میرا حکم مانتا ہے۔ میرے ماسٹر صاحب بھی میرا حکم مانتے ہیں۔ ماسٹر صاحب ! بھلا یہ تو بتائیے کہ میری جگہ آپ کو کوئی معمولی شاگرد ہوتا۔ اور وہ 7×8 کا جواب بتانے سے انکار کر دیتا تو آپ اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ؟

ماسٹر صاحب : میں — معاف کیجیے ملکہ حضور ! میں اسے بچ پر کھڑا کر دیتا یا پھر کان پکڑا کر مرنے دیتا۔ ملکہ : آپ بڑے ظالم ہیں ماسٹر صاحب ! آپ کو معلوم ہے کہ میں چاہوں تو بھی آپ کو پچاسی پر چڑھا سکتی ہوں ؟

ماسٹر صاحب : (ڈرتے ہوئے) ملکہ حضور ! ملکہ : ہاں ہاں ! میں آپ کو پچاسی پر چڑھا سکتی ہوں اور آپ ہیں بھی اسی قابل۔

ماسٹر صاحب : لیکن میں نے تو کوئی جرم نہیں کیا حضور ! آخر میری خطا کیا ہے ؟

ملکہ : میں جب کچھ لکھتی ہوں تو آپ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے اور جب آپ کے کسی سوال کا جواب دیتی ہوں تو آپ کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں تو ایسے لوگوں کو پسند کرتی ہوں جو ہر

کہ اپریل مارچ سے پہلے آجائے یا ستمبر اگست سے پہلے آجائے۔

پاہتی ہیں ؟

ملکہ : ہاں

ملکہ : اور اگر میں چاہوں کہ اپریل ابھی آجائے تو ؟

ماسٹر صاحب : بہت بہتر۔ یہ بات کس بارے

میں ہو ؟

ملکہ : مجھے نہیں معلوم۔ کل نیا سال شروع

ہونے والا ہے۔ آپ مجھے نئے سال کے بارے میں

کچھ بتائیے۔

ماسٹر صاحب : بہت اچھا کل نیا سال شروع

ہوگا۔ ایک سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں۔

ملکہ : کیا واقعی ؟

ماسٹر صاحب : جی ہاں ملکہ حضور ! اور یہ بارہ

مہینے ہیں۔ جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی، جون،

جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر۔

ملکہ : ارے اتنے ! تعجب ہے کہ آپ کو ان

سب کے نام یاد ہیں۔ آپ کی یادداشت بہت اچھی

معلوم ہوتی ہے۔

ماسٹر صاحب : شکریہ ملکہ حضور ! اور یہ مہینے

ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔ جب ایک مہینا ختم ہو

جاتا ہے تو دوسرا شروع ہوتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا

ماسٹر صاحب : ایسا نہیں ہو سکتا ملکہ حضور !

ملکہ : آپ پھر مجھے جھٹلا رہے ہیں ماسٹر صاحب !

ماسٹر صاحب : میں آپ کو جھٹلا نہیں رہا حضور !

یہ قدرت کا قانون ہے اور قدرت کے قانون کو کوئی نہیں

بدل سکتا۔

ملکہ : اچھا ! لیکن فرض کیجیے میں ایسا قانون بنا

دیتی ہوں اور اس پر شاہی مہر بھی لگا دیتی ہوں۔

تو پھر ؟

ماسٹر صاحب : اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں

ہوگا حضور ! اور پھر آپ کو مہینوں میں کوئی تبدیلی کرنے

کی ضرورت بھی کیا ہے ہر مہینا آپ کے لیے طرح طرح

کے تحفے لے کر آتا ہے۔ جنوری اور فروری میں برف

پڑتی ہے اور ہر طرف چاندی کی ایک چادر بچھ جاتی

ہے۔ پھر مارچ میں برف پگھلنے لگتی ہے اور اپریل

میں پگھلتی ہوئی برف کے پیچھے سے چاندنی کے ننھے ننھے

پھول جھانکنے لگتے ہیں.....

ملکہ : اسی لیے میں چاہتی ہوں کہ اب اپریل کا مہینا آجائے۔ مجھے چاندنی کے پھول بہت پسند ہیں میں نے آج تک یہ پھول نہیں دیکھے۔ سنا ہے بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔ آپ نے یہ پھول دیکھے ہیں ماسٹر صاحب ؟

ماسٹر صاحب : جی ہاں ملکہ حضور !

ملکہ : مجھے ان کے متعلق کچھ بتائیے !

ماسٹر صاحب : بہت بہتر حضور ! چاندنی کے

پھول نئے نئے اور سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ انہیں چاندنی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ پھول صرف چاندنی رات ہی میں کھلتے ہیں۔ اور یہ اپریل کے شروع میں کھلتے ہیں۔ اس سے پہلے نہیں۔

ملکہ : اسی لیے تو میں چاہتی ہوں کہ اپریل

کا مہینا شروع ہو جائے۔ مجھے چاندنی کے پھول چاہئیں۔

ماسٹر صاحب : تو اس کے لیے آپ کو اپریل

تک انتظار کرنا پڑے گا اور اپریل کوئی زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ صرف تین مہینے یعنی نوے دن رہتے

ہیں۔ ملکہ : نوے دن ؟ میں تو تین دن بھی انتظار

نہیں کر سکتی ! کل نئے سال کا جشن ہے اور اس جشن کے لیے میری میز پر چاندنی کے پھول ہونے چاہئیں۔

ماسٹر صاحب : لیکن ملکہ حضور ! یہ قدرت کا

قانون.....

ملکہ : (ٹوکتے ہوئے) میں خود قدرت کا ایک

نیا قانون بناؤں گی۔ ادھر میری جگہ پر آکر بیٹھیے اور جو کچھ میں لکھواتی ہوں، لکھیے۔

یہ کہہ کر ملکہ چندا اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور ماسٹر صاحب بچھتے ہوئے اس کی جگہ آکر بیٹھ گئے۔ ملکہ نے ماسٹر صاحب کو لکھواتا شروع کیا۔

ملکہ : لکھیے ماسٹر صاحب !

”ہم یہ حکم صادر کرتے ہیں کہ کل نئے سال کے

جشن کے موقع پر چاندنی کے پھولوں سے بھری ہوئی

ایک ٹوکری ہمارے محل میں پہنچا دی جائے۔ جو شخص

ہمارے اس حکم کی تعمیل کرے گا، ہم اُسے بھاری

انعام دیں گے۔ اس کی ٹوکری خالص سونے کی اشرفیوں

سے بھر دیں گے اور اُسے ایک نہایت خوبصورت گرم چٹھہ بھی دیں گے۔
 ماسٹر صاحب لکھ چکے تو ملکہ چندا نے قلم اُن کے ہاتھ سے لے لیا اور کاغذ پر اپنے دستخط کیے اس کے بعد اُس نے وزیر اعظم کو طلب کیا۔

ملکہ : (وزیر اعظم سے) دیکھو! یہ ہمارا فرمان ہے۔ اس پر شاہی مُہر لگاؤ اور سارے شہر میں اس کی منادی کرو تا کہ ہر شخص کو اس کا علم ہو جائے۔
 وزیر اعظم : (کاغذ پڑھ کر) اس پر شاہی مُہر لگاؤں ملکہ عالیہ بہ بہت اچھا! بہت اچھا! جیسے آپ کا حکم!

ملکہ : یہ ہمارا فرمان ہے اور تمہیں اس کی فوراً تعمیل کرنی چاہیے۔
 وزیر اعظم جھک کر آداب بجا لایا اور کاغذ لے کر چلا گیا۔

اس کے متھوڑی دیر بعد ہی شاہی ڈسٹنڈورچی شہر کے گلی کوچوں میں ملکہ کے اس عجیب و غریب فرمان کی منادی کرتے پھر رہے تھے۔

چاندنی کے پھول

پھول کی خالہ رانی اور اُس کی لڑکی موتی نے جب یہ سنا کہ ملکہ چندا نے یہ وعدہ کیا ہے کہ جو شخص چاندنی کے پھولوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری محل میں پہنچائے گا اُسے ان پھولوں کے عوض وہی ٹوکری اشرفیوں سے بھر کر انعام میں دی جائے گی تو دونوں ماں بیٹی سر جوڑ کر بیٹھیں اور جنگل سے چاندنی کے پھول لانے کے بارے میں سوچنے لگیں۔
 موتی پرلے درجے کی لالچی تھی وہ گھر میں پڑی ہوئی چھوٹی بڑی تمام ٹوکریاں اکٹھی کر لائی اور انہیں اسٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

موتی : (سب سے چھوٹی ٹوکری ہاتھ میں لے کر) تمہارا کیا خیال ہے اماں! اس میں کافی اشرفیاں

کیا پودا بھی کمیں نظر میں آئے گا۔ ہر طرف برف
ہی برف جی ہوئی ہے۔

رانی : ملکہ کو تو ہمیشہ اُٹھی ہی باتیں سُوجھتی
ہیں۔ بھلا یہ موسم چاندنی کے پھولوں کا ہے؟
موتی : ہو سکتا ہے کہ برف کے نیچے پھول موجود
ہوں۔ میں اپنی چادر اوڑھ کر جاتی ہوں اور ان کو
تلاش کرتی ہوں۔

رانی : نامیری بیٹی! میں تمہیں گھر سے باہر
نہیں جانے دوں گی۔ ذرا دیکھو تو سہی۔ باہر کتنی
برف پڑ رہی ہے۔

موتی : (سب سے بڑی ٹوکری اٹھاتے ہوئے)
میں ضرور جاؤں گی۔ ایسا موقع زندگی میں بار بار نہیں
آتا اور میں اس موقع کو ہاتھ سے گنوا نا نہیں چاہتی۔
رانی : تم جنگل میں گئیں تو سردی سے اکڑ
کر مر جاؤ گی۔

موتی : تو پھر تم جاؤ اور چاندنی کے پھولوں سے
ٹوکری بھر لاؤ۔ میں انہیں محل میں لے جاؤں گی۔
رانی : کیا کہنے میں میری لاٹلی کے ایسے
طوفان میں تو کوئی اپنے گتے کو بھی گھر سے باہر

آ جائیں گی؟

رانی : ہاں بیٹی!

موتی : ان اشرفیوں سے کنو اب کا ایک سوٹ
بن جائے گا؟

رانی : ایک سوٹ! ان سے تو ہزار سوٹ
بن جائیں گے۔

موتی : (ایک اور ٹوکری اٹھاتے ہوئے) اور
اس میں کتنی اشرفیاں آ جائیں گی اماں؟

رانی : اس میں اُس سے ذرا زیادہ آ جائیں گی
ان اشرفیوں سے ہم ایک بڑا سا مکان بنوا سکتے
ہیں۔

موتی : (ایک اور ٹوکری اٹھاتے ہوئے) اور
اس میں کتنی اشرفیاں آئیں گی اماں؟

رانی : اس میں! اس میں تو اتنی اشرفیاں سما
سکتی ہیں بیٹی کہ تم اپنے گھر کے سارے برتن سونے
کے بنوا سکتی ہو۔ برتن ہی نہیں، کپڑے اور
جوڑے بھی۔

موتی : تو پھر میں یہی ٹوکری لے جاؤں گی۔
لیکن مصیبت یہ ہے کہ آج کل چاندنی کا پھول تو

اور اگر وہ اس میں برف کے پتے دب کر مر گئی تو اس کی قسمت -

موتی : مجھے اس سے سخت نفرت ہے اتنا! وہ برف کے نیچے دب کر مر بھی گئی تو مجھے افسوس نہیں ہو گا۔ تم اسے یہ ٹوکری دینا۔ یہ کافی بڑی ہے۔

رانی : نہیں بیٹی! ہم یہ چھوٹی ٹوکری اُسے دیں گے۔ بڑی ٹوکری تو میں نے پرسوں ہی خریدی ہے۔ اگر وہ برف میں دب کر مر گئی تو اُس کے مرنے سے زیادہ مجھے ٹوکری کے ہاتھ سے جانے کا افسوس ہو گا۔

موتی : یہ تو بالکل ہی چھوٹی سی ہے اتنا! پر خیر وہ یہ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ پھول لکڑیاں لیے لاندہ داخل ہوئی۔ لکڑیوں کا گٹھا اُس نے ایک طرف پھینکا، چادر پر سے برف جھاڑی اور پھر پوٹے کے قریب آکر ہاتھ تاپنے لگی۔ رانی نے پھول کی طرف دیکھا، جیسے اُس کی حالت سے باہر کے موسم کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر بولی۔

رانی : کیا باہر بہت برف پڑ رہی ہے پھول بیٹی؟ پھول : ہاں خالہ! مجھے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں بادلوں پر چل رہی ہوں، حیران ہوں کہ گھر

نہیں دیکھتا اور تم مجھے جنگل میں جانے کے لیے کہہ رہی ہو۔

موتی : تم میرے لیے اتنی سی تکلیف بھی نہیں کر سکتیں؟

یہ کہہ کر موتی نے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا۔ رانی بیٹی کے اس طرح رونے سے گھبرا گئی اور اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

رانی : نہ رو میری بیٹی! نہ رو۔ لو میں تمہارے لیے حلوا تیار کرتی ہوں۔ ابھی کرتی ہوں۔

موتی : (ردتے ہوئے) مجھے حلوا نہیں چاہیے۔

چاندنی کے پھول چاہئیں۔ تم نہ خود جاتی ہو اور نہ مجھے جانے دیتی ہو۔ تو پھر پھول سے کہو کہ جائے۔ وہ جنگل سے لکڑیاں لے کر ابھی واپس آ جائے گی۔

تم اُسے چاندنی کے پھول لینے کے لیے بھیج دو اتنا! رانی : ہاں! یہ بات تم نے عقل کی کی ہے بیٹی

میرا بھی یہی خیال ہے اُسے ہی بھیجوں گی۔ جنگل کوئی زیادہ دُور تو ہے نہیں۔ اُسے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

اگر وہ چاندنی کے پھولوں سے بھری ہوئی ٹوکری لے آئی تو کل ہم دونوں یہ ٹوکری محل میں لے جائیں گے

معلوم نہیں تھا کہ تم مذاق کر رہی ہو۔ میں تو ڈر ہی گئی تھی۔

موتی : میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔ تم نے شاہی اعلان نہیں سنا ہے ؟
پھول : نہیں۔

موتی : تمہیں تو پتا ہی کچھ نہیں۔ شہر کے ہر شخص کے ہونٹوں پر اس اعلان کا ذکر ہے۔ ملکہ نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص نئے سال کے جشن کے لیے چاندنی کے پھولوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری محل میں پہنچائے گا، اُسے ان پھولوں کے عوض دی ٹوکری سونے کی اشرفیوں سے بھر کر انعام میں دی جائے گی اور اُسے ایک خوبصورت گرم چٹھ بھی ملے گا۔

پھول : یہ تو چاندنی کا موسم ہی نہیں ہے۔ یہ پھول تو اپریل میں کھلتے ہیں۔

رانی : اگر موسم ہوتا تو پھر سونے کی اشرفیاں کون دیتا ؟

موتی : خیر اب زیادہ بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ! یہ ٹوکری لو اور جاؤ۔

پھول : لیکن اب تو شام ہو رہی ہے۔

خیریت سے کیسے پہنچ گئی !

رانی : سردیوں میں تو برف پڑا ہی کرتی ہے۔ پھول : لیکن اتنی برف تو آج تک نہیں پڑی غلط ! اور ابھی اور بڑے گی۔ شاید رات بھر پڑے گی۔
رانی : یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو ؟

پھول : یہ تو سیدھی سی بات ہے غلط ! آج سال کا آخری دن ہے نا۔

رانی : تم یونہی سردی سردی اور برف برف کر رہی ہو تمہیں سردی لگ رہی ہوتی تو اس طرح لہک لہک کر باتیں نہ کرتیں۔ خیر اب تم نے کافی دیر آگ تاپ لی ہے۔ تمہیں ایک اور جگہ جانا ہے۔

پھول : کہاں ؟
رانی : زیادہ دُور نہیں۔ جنگل تک ہی جانا ہے۔

پھول : (خیرانی سے) جنگل تک ! لیکن کیوں ؟ میں تو اتنی لکڑیاں لے آئی ہوں جو ایک ہفتے کے لیے کافی ہو سکتی ہیں۔

رانی : تم سے اور لکڑیاں کون منگوا رہا ہے۔ تمہیں تو وہاں سے چاندنی کے پھول لانا ہیں۔

پھول : چاندنی کے پھول اور اس موسم میں مجھے

رانی : اس میں تمہارا اپنا قصور ہے — تمہیں کہ تم جنگ میں جانے کے بجائے کسی پڑوسن کے گھر لکڑیاں لانے میں اتنی دیر نہیں کرنی چاہیے تھی۔ بیٹھ رہی ہو تو میں مار مار کر تمہاری کھال اُدھیڑ دوں گی۔
پھول : کل صبح میں جاؤں گی خالہ ! اس وقت یہ سن کر پھول کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن وہاں جانا تو موت کو دعوت دینا ہے۔ اس نے جلدی سے پوچھ ڈالے۔ اس نے اپنی میلی

رانی : کل صبح ؟ نہیں ابھی جاؤ۔ کل صبح کو تو اور پھیٹی پرانی چادر کو اچھی طرح اپنے ارد گرد پھیٹاؤ۔
پھول : بھلا اس موسم میں پاندنی کے پھول کہاں تو کڑی اٹھا کر خاموشی سے باہر نکل گئی۔

پھول : بھلا اس موسم میں پاندنی کے پھول کہاں پھول کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک دونوں ہوتے ہیں خالہ ! اور پھر اندھیرا ہو رہا ہے۔
رانی : خدا مجھک کر غور سے دیکھنا۔

پھول : میں نہیں جاؤں گی۔ ایک جھونکا آیا تو رانی نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ کھلا تھا۔ شاید پھول باہر جاتے

موتی : تم نہیں جانتی تو نہ جاؤ۔ میں جاتی ہوں۔ تو دقت دروازہ اچھی طرح بند کر کے نہیں گئی تھی۔
رانی : کم بخت دروازہ بھی تو بند کر کے نہیں یہاں چوہے کے پاس بیٹھ کر آگ تپاتی رہو۔

یہ کہہ کر موتی نے تھوئی پر ٹکی ہوئی چادر کھینچی اور گئی۔ ایسی چھوہڑ لڑکی بھی کسی کے گھر نہ ہو۔ موتی اسے لپیٹ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ لیکن رانی بیٹھی ! خدا اُٹھ کر دروازہ تو اچھی طرح بند کر آؤ۔ پھر اُسے پکڑ لیا اور غصے سے کہنے لگی۔

رانی : تمہیں کھانا دیتی ہوں — کہو تو تمہارے لیے تھوڑا
رانی : کہاں جا رہی ہو ؟ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ سارا بھی بنا دوں —

خبردار جو تم نے باہر جانے کا نام بھی دیا اور سنو۔ ملوے کا نام سن کر موتی خوش خوش اُٹھی اور پھول ! فوراً جاؤ — یہ ٹوکری ساتھ لے جاؤ اور پاندنی دروازہ بند کر کے پھر چوہے کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

کے پھولوں سے بھر کے لاؤ — اگر مجھے پتا چل گیا تھوڑی دیر بعد وہ دونوں گرم گرم حلوا کھا رہی

Farooq Library

IV-B-4/3 Nazimabad

Marachi

ڈیرا بارہ بھائیوں کا

پھول جنگل میں پہنچی تو شام ہو چکی تھی، مغرب میں
شفق کی سرخی پھیلی ہوئی تھی چاروں طرف روتی کی
طرح برت کے گالے گر رہے تھے۔ وہ سنبھل سنبھل
کر قدم اٹھاتی آگے بڑھتی گئی۔ لیکن اس کی سمجھ میں
نہیں کہ رہا تھا کہ وہ چاندنی کے پھول کہاں سے حاصل
کرے؟ اس جنگل میں وہ اکثر آتی رہتی تھی جنگل کا
زیادہ حصہ اس کا دیکھا بھالا تھا۔ اس لیے شام ہو
جانے کے باوجود اس کو کوئی خاص ڈر محسوس نہیں
ہو رہا تھا۔

کچھ دور آگے جا کر وہ رک گئی اور سوچنے لگی
کہ مجھے نہ تو کہیں سے چاندنی کے پھول ملیں گے اور
نہیں یہاں سے زندہ واپس جاسکوں گی۔ پھر اگر مرنا

تھیں — اور بے جا رہی پھول ٹوٹ کر ہاتھ میں
لیے جنگل میں چاندنی کے پھولوں کی تلاش میں ماری
ماری پھر رہی تھی۔

ہی ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں یہاں تو برف کے گاہوں میں رہ رہا ہوں جاؤں گی۔ بہتر یہ
 مروں یا کچھ آگے جا کر۔ اب تو اندھیرا ہو چکا ہے۔ ہے کہ کسی درخت پر چڑھ جاؤں۔ سردی سے نہ
 میں نہ اپنا راستہ تلاش کر سکتی ہوں اور نہ آسانی سے واپس ہی جا سکتی ہوں۔ میرا مر جانا یقینی ہے۔
 پھر اُس نے سوچا کہ کیوں نہ میں کسی کو مدد کے لیے پکاروں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شکاری یا لکڑہارا
 جنگل میں موجود ہو اور میری آواز سن کر مدد کو آجائے۔ یہ سوچ کر اُس نے اپنی آواز سے دو تین بار پکارا
 ”کوئی ہے؟ کوئی ہے؟“

لیکن جب کوئی جواب نہ آیا اور ہر طرف خاموشی ہی رہی تو وہ سوچنے لگی کہ میں بھی کتنی نادان ہوں
 بھلا اس وقت برف کے اس طوفان میں کون شکاری یا لکڑہارا یہاں ہو سکتا ہے۔ میں ہی اس جنگل میں
 اکیلی ہوں اور چاندنی کے پھولوں کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہوں۔

وہ کچھ دیر کھڑی سوچتی رہی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ نہ میں آگے جا سکتی ہوں کہ اندھیرے میں
 راستہ تلاش کرنا مشکل ہے۔ نہ واپس جا سکتی ہوں کہ پیچھے بھی کچھ دکھائی نہیں دیتا اگر میں یہیں کھڑی رہی

پھر دھب سے برف کا ایک چھوٹا سا گالا اُس کے سر پر پڑا اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے
 ساتھ ہی ایک آواز اس کے کان میں آئی۔
 ”پھول بیٹی! مت سوؤ نہیں، تو سردی سے اکڑ جاؤ گی۔“

پھول نے چونک کر اپنے ارد گرد دیکھا۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے یہ آواز اُس کی اپنی ماں کی ہے

ناپ رہے تھے۔ ان میں میں بڑھے تھے۔ ان کی لمبی لمبی دائریاں تھیں اور انہوں نے لمبے لمبے بالوں کی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔ ان کے جسم پر بھی لمبے لمبے بالوں والے ٹیغے سے تھے۔ تین اشخاص درمیانی عمر کے تھے۔ تین نوجوان تھے اور تین بالکل لڑکے معلوم ہو رہے تھے۔ نوجوان اور لڑکے آگ کے قریب اور بڑھے اور درمیانی عمر کے شخص ذرا پرے بٹ کر بیٹھے ہوئے تھے۔

ان سب نے سفید، سبز، سنہری، سرخ اور پیلے رنگوں کے لباس پہنے ہوئے تھے۔ اصل میں یہ بارہ مہینے — جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر تھے جو سال کی آخری شام کو جمع ہو کر اپنا جشن منا رہے تھے۔ پھر انہوں نے خوش ہو کر کرگیت گانا شروع کیا۔

اے آگ تیز اور تیز بل
شعلہ ترا ادھیجا رہے

جنوری: (دھڑکی سی لکڑیاں آگ پر پھینکتے

ہوئے):

لیکن وہاں کوئی انسان نہیں تھا۔ اُس کی آنکھوں
آنسو آگئے اور وہ کہنے لگی۔

”ماں! تم کہاں ہو؟“

لیکن وہاں کوئی ہوتا تو جواب دیتا۔ یہ تو اس

کا دھم تھا۔

پھر اس نے سامنے کی طرف دیکھا تو حیران
گئی۔ اُسے کچھ فاصلے پر روشنی نظر آ رہی تھی۔ وہ
وہی ہی جیسی اُس نے قواب میں دیکھی تھی۔ وہ
جلدی جلدی درخت سے اُتری اور آگ کی سمت
میں چل دی۔

سردی سے اُس کی ٹانگیں سُج ہو چکی تھیں لیکن
آگ نظر آ جانے سے اُس میں ایک جوش سا پیدا
ہو گیا تھا۔ وہ جھاڑیوں سے الجھتی، درختوں سے
ٹکراتی، گرتی پڑتی آگ کی طرف بڑھتی گئی اور آخر
وہاں جا پہنچی جہاں ایک تھوڑی سی کھلی جگہ پر آگ
کا لالہ روشن تھا۔ وہ ایک درخت کی اوٹ میں کھڑی
ہو گئی اور آگ کے لالہ کے گرد بیٹھے ہوئے لوگوں
کو دیکھنے لگی۔

وہ کل بارہ آدمی تھے اور لالہ کے گرد بیٹھے آگ

اے آگ روشن ہو ذرا
کر گرم سردی کی ہوا
گرمی کے چہرے کو بکھار
دنیا میں لے کر آ بہار

تمام مہینے : (دل کر)

اے آگ تیز اور تیز جل
شعلہ ترا اونچا رہے

مارچ :-

اے آگ تیز اور تیز جل
یہ برف سب جائے پھل
سرسبز ہوں سب جھاڑیاں
مگ آئیں پھر پھول اور پھل

تمام مہینے : (دل کر)

اے آگ تیز اور تیز جل
شعلہ ترا اونچا رہے

اپریل :-

اے آگ تیز اور تیز جل
کردے سنہری کھیتیاں

سونا ہی سونا طبیعت ہوں
گندم کی جھوئیں بالیاں
تمام مہینے : (دل کر)
اے آگ تیز اور تیز جل
شعلہ ترا اونچا رہے

پھول انہیں گیت گاتے اور آگ تاتے دیکھتی
رہی۔ اُسے سردی بھی لگ رہی تھی مگر آگے جانے
کی بہت بھی نہیں ہوتی تھی۔ آخر اس نے حوصلے
سے کام لیا اور درخت کی ٹوٹ سے نکل کر اُن
کے قریب جا پہنچی اور نور سے انہیں سلام کیا۔
اُس کے سلام کی آواز سن کر وہ سارے چوہے
گئے اور حیرانی سے پھول کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر
جنوری نے کہا :

جنوری : کون ہو تم ؟

پھول : میرا نام پھول ہے بابا ! مجھے سردی
لگ رہی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ
دیر آگ تاپ لوں۔

جنوری : (دوسرے مہینوں سے) کیا خیال ہے
تمہارا بھائیو ! ہم اس لڑکی کو آگ تاپ لینے کی

اجازت دے دیں ؟

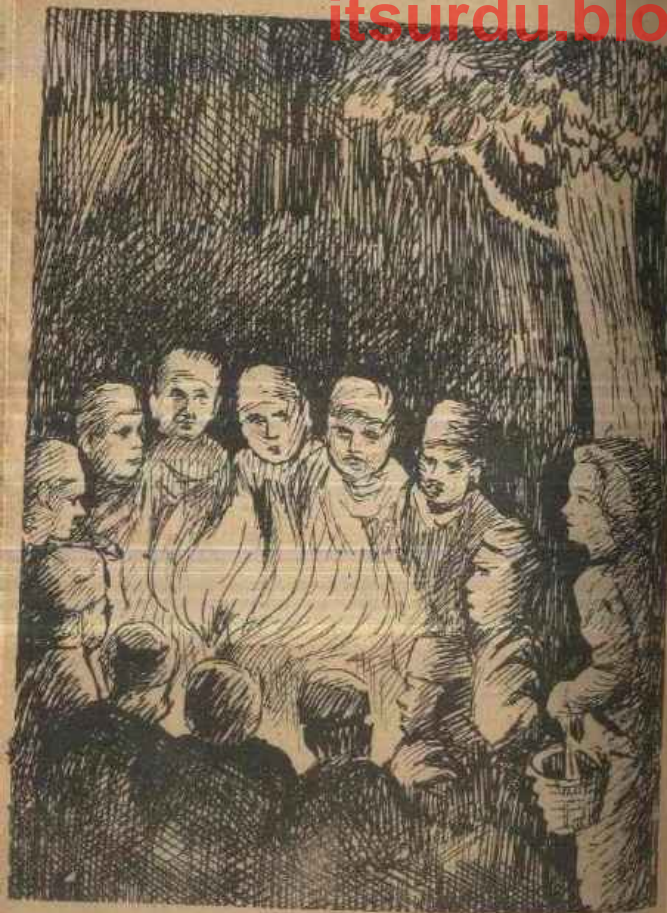
فزوری : (سر ہلاتے ہوئے) اس سے پہلے کبھی کسی اجنبی نے ہمارے ساتھ بیٹھ کر آگ نہیں تانی۔
ایریل : بیشک ہے۔ لیکن یہ غریب لڑکی تاپ لے لے تو کیا ہرج ہے۔

منٹی : اسے آگ تاپ لینے دو بھائیو ! یہ لڑکی تاپ لے گی تو ہماری آگ کھٹکڑی کھٹکڑی ہو جائے گی۔

دسمبر : (دادھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) لڑکی ! آڈیہاں آکر آگ تاپ لو۔

چھول : آپ کا بے حد شکریہ بابا !
یہ کہہ کر چھول آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی لاؤ کے قریب آئی اور ایک طرف کھڑی ہو گئی۔
آگ تاپنے سے اُس کی جان میں جان آ گئی۔ ہاتھ پیر جو سردی سے سُن ہو گئے تھے، گرم ہو گئے وہ احسان مندی سے اپنے مٹھنوں کی طرف دیکھنے لگی۔

پھر جنوری کی نظر اُس لڑکی پر پڑی جو چھول کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے کہا۔



جنوری : یہ ٹوکری کیسی ہے تمہارے ہاتھ میں ؟
تم ایسے طوفان میں شام کے وقت جنگل میں کیا لینے
آئی ہو ؟

پھول : میں اپنی مرضی سے نہیں آئی ہوں بابا !
میری خالہ نے مجھے چاندنی کے پھول لینے کے لیے
بھیجا ہے ۔

مارچ : (قریب بیٹھے ہوئے اپریل کے کہنی مارتے
ہوئے) سنا بھائی تم نے ؟ یہ لڑکی چاندنی کے پھول
لینے آئی ہے ۔ سو یہ تمہاری بھانجی ہے ۔

مارچ کی یہ بات سن کر تمام بھینے سنس پڑے ۔
پھول : کاش میں بھی آپ کی ہنسی میں شامل ہو
سکتی ۔ لیکن مجھے ہنسی نہیں دونا آ رہا ہے ۔ اگر میں
خالی ہاتھ گھر واپس گئی تو خالہ مار مار کر میری ہڈیاں
ٹوڑ ڈالے گی ۔

فروری : تمہاری خالہ کو سردیوں میں چاندنی کے
پھولوں کی کیا ضرورت پڑ گئی ۔

پھول : اُسے پھول نہیں اشرفیاں چاہئیں ۔ ہماری
ملکہ نے اعلان کیا ہے کہ جو کوئی نئے سال کے جشن
کے لیے چاندنی کے پھولوں سے بھری ہوئی ٹوکری

محل میں پہنچائے گا ۔ اسے ان پھولوں کے عوض وہی
ٹوکری اشرفیوں سے بھر کر انعام میں دی جائے گی
اسی لیے میری خالہ نے مجھے یہاں بھیجا ہے ۔

جنوری : تم بڑی نادان ہو بیٹی ! تمہیں معلوم نہیں
کہ یہ چاندنی کے پھولوں کا موسم نہیں ہے ۔ اس کے
لیے تو ہمیں اپریل کے مہینے کا انتظار کرنا پڑے گا ۔

پھول : میں جانتی ہوں بابا ! لیکن میں یہاں نہ
آئی تو اور کہاں جاتی ؟ خیر آپ کی بہت بہت مہربانی کہ
آپ نے مجھے آگ تاپ لینے دی ورنہ سردی کی وجہ
سے میں اب تک مریچکی ہوتی ۔ کہیں آپ کی بہت
شکر گزار ہوں ۔

یہ کہہ کر پھول جانے لگی ۔

اپریل : پھرو لڑکی !

پھول : رک گئی ۔ اس نے اپریل کی طرف دیکھا ۔
اپریل اپنی جگہ سے اٹھا اور بوڑھے جنوری کے پاس
آ کر بولا ۔

اپریل : جنوری بھائی ! تم ایک گھنٹے کے لیے اپنی
جگہ مجھے دے دو تو بڑی مہربانی ہو گی ۔

جنوری : مجھے تو کوئی اعتراض نہیں لیکن اپریل

ڈنڈا زمین پر مارا تو بھر طرٹ بھار ہی بھار نظر
آئے گی۔ زمین پر گھاس نمودار ہو گئی۔ درختوں
پر نیلے پیلے پھول نکل آئے اور ادھر ادھر گھمکتی
ہوئی برت کے نیچے سے چاندنی کے ننھے ننھے
سفید پھول جھانکتے گئے۔ پھول حیران کھڑی یہ سب
دیکھ دیکھ رہی تھی۔ اس کو حیرت میں ڈوبے ہوئے
دیکھ کر اپریل نے کہا۔

اپریل : تم کیوں اس طرح حیران کھڑی ہو کر لی
جلدی کرو۔ میرے بھائیوں نے مجھے اور تمہیں صرف
ایک گھنٹے کی مہلت دی ہے۔

پھول : لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ
جو کیا گیا ہے! مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ
رہا۔ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟

اپریل : یہ خواب نہیں، حقیقت ہے۔ جلدی کرو
اور چاندنی کے پھولوں سے اپنی ٹوکری بھر لو۔ تم
نے جلدی نہ کی تو تمہاری ٹوکری بھرنے سے پہلے
پہلے ہی دوبارہ سردی آ جائے گی۔

پھول : اچھا میں جاتی ہوں۔
پھول ٹوکری سنبھال کر پھول چھنے

مارچ سے پہلے نہیں آ سکتا۔
مارچ : تم میری فکر نہ کرو۔ فردوسی بھائی! تمہارا
کیا خیال ہے؟
فردوسی : جیسے تم کہو مارچ بھائی! میں تم سے جھگڑا
تھوڑی کر دوں گا۔ میں بھی ایک گھنٹے کے لیے اپنی جگہ
چھوڑ دیتا ہوں۔

جنوری : یہ بات ہے تو پھر میں ہٹا جاتا ہوں۔
یہ کہہ کر جنوری نے اپنا ڈنڈا زمین پر مارا۔ ڈنڈے
کے زمین پر پڑتے ہی برت کا طوفان ختم گیا۔ جنگل
میں خاموشی چھا گئی۔ اس کے بعد جنوری نے وہی ڈنڈا
فردوسی کے ہاتھ میں تھما دیا۔ فردوسی نے بھی ڈنڈا جنوری
کی طرح زمین پر مارا تو نہایت تیز اور سرد ہوا چلنی
شروع ہو گئی۔ اس کے بعد فردوسی نے ڈنڈا مارچ
کے ہاتھ میں دے دیا۔ مارچ نے ڈنڈا زمین پر
مارا تو برت گھمکنی شروع ہو گئی۔ درختوں میں پتے
نکلنے لگے اور جھاڑیاں سبز ہونے لگیں۔ پھر مارچ
نے ڈنڈا اپریل کو تھما دیا۔ ڈنڈا اپریل کے ہاتھ میں
آئے ہی اس پر خوبصورت ہرے ہرے پتے نکل
آئے۔ اپریل نے ایک بچے کی طرح جوش میں آ کر

بھری ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی جنوری نے کہا۔
 جنوری: ارے! تم اتنی جلدی ٹوکرے بھولائیں۔
 پھول: وہاں تو ہر طرف پھول ہی پھول ہیں
 بابا! پہاڑیوں پر، پہاڑوں کے نیچے، درختوں کے
 نیچے، پتھروں کے نیچے۔ میرے اشد! میں نے
 آج تک اتنے پھول کبھی نہیں دیکھے۔ اور اتنے
 پیارے پیارے کہ میں کیا کہوں! اگر آپ میری
 امداد نہ کرتے تو مجھے بہار کے یہ پھول دوبارہ
 دیکھنے کبھی نصیب نہ ہوتے۔ جب تک میرے
 جسم میں جان ہے۔ میں آپ کا شکر یہ ادا کرتی
 رہوں گی۔

جنوری: تمہیں میرا نہیں، میرے بھائی اپریل
 کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے۔ بیٹی! اس نے تمہاری
 سفارش کی اور اسی نے تمہاری خاطر برف کے
 نیچے سے یہ پھول نکالے ہیں۔
 پھول: (اپریل کی طرف مڑ کر) اپریل بھتیجا!
 تمہارا بہت بہت شکریہ۔ میں تمہیں کبھی نہیں
 بھولوں گی۔

اپریل: میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم مجھے کبھی

کے لیے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد بارہ مہینے
 پھر باتیں کرنے لگے۔
 جنوری: میں نے تو اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا
 تھا بھائیو! میں نے اسے اکثر جنگل میں دیکھا
 ہے۔ کئی سال سے وہ یہی پھٹی پرانی چادر اڑھے
 ہوئے ہے بے ہاری۔

بھون: نہیں ابھی اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔
 اگست: میں نے کئی بار اس کو بارش میں بھگیا
 ہے۔ مجھے اس کا افسوس مزور ہے لیکن برسات
 کے مہینے کا تو کام ہی یہی ہے۔

ستمبر: وہ بہت پیاری اور نیک دل لڑکی
 ہے۔

اپریل: میرا بھی یہی خیال ہے۔ اور اگر تمہیں
 اعتراض نہ ہو تو میں نشانی کے طور پر اُسے ایک
 انگوٹھی دے دوں۔

دسمبر: ہماری طرف سے اجازت ہے بھائی!
 جو جی میں آئے کرو۔

اتنے میں پھول واپس آ گئی۔ اس کی ٹوکرے
 چاندنی کے ننھے ننھے سفید پھولوں سے بالاب

نہ بھولو (اپنی انگلی سے انگوٹھی اتار کر بچوں کی
طرف بڑھاتے ہوئے) لو! میں تمہیں یہ انگوٹھی
نشانی کے طور پر دیتا ہوں۔ یہ انگوٹھی تمہیں میری
یاد دلاتی رہے گی اگر کبھی تم پر کوئی مشکل وقت
آ پڑے تو اس انگوٹھی کو زمین پر، پانی میں یا
برف کے گالے میں پھینک دینا اور پھر یہ گیت
گانا۔

چل ری مری انگوٹھی چل
ہو کے بہار کی وادی سے
آگے ہے گرمی کا محل
اس میں سے تو گزرتی چل
آگے خزاں کی بستی ہے
اس کو چھوڑ اور آگے چل
اجلا، اجلا، سردی کا
آگے لے گا غالیچہ
اس پر سے تو گزرتی چل
اس سے آگے ڈیرا ہے
میرے بارہ بھائیوں کا
تیز ہے روشن آگ جہاں

جلدی سے تو پہنچ ویاں
چل ری مری انگوٹھی چل
اور جب تم یہ گیت گھاؤ گی تو ہم سارے جلاں
— بارہ کے بارہ بیٹے تمہاری مدد کو پہنچ جائیں گے
بچوں: اچھا!
بچوں نے وہ گیت دہرایا — بالکل اسی طرح
جس طرح اپریل نے کہا تھا۔

اپریل: ٹھیک ہے۔ اور دیکھنا اس انگوٹھی کو
حفاظت سے رکھنا۔ اگر تم نے یہ انگوٹھی گم کر
دی تو گویا ہمیں گم کر دیا۔
بچوں: یس۔ اسے گم نہیں کروں گی اور نہ اسے
اپنے آپ سے جدا کروں گی۔ میں اس کو اپنی جان
سے بھی زیادہ عزیز رکھوں گی۔
جنوری: اچھی بات ہے۔ اب تم آئی ہو تو
لگے ہاتھوں میں اپنے سب بھائیوں کا تعارف بھی تم
سے کرا دیتا ہوں۔ کیا خیال ہے بھائیو تمہارا؟
تمام بیٹے: (ایک ساتھ) ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔
جنوری: پہلے میں اپنا ہی تعارف کراتا ہوں۔
دیکھو بیٹی! جنوری سال کا پہلا مہینا ہے۔ میں

آتا ہوں تو اپنے ساتھ، برف کا طوفان لاتا ہوں
جس سے ڈر کر لوگ اپنے گھروں کے اندر بند ہو
کر یا تو آگ تپاتے رہتے ہیں یا نرم گرم لحافوں
اور کنبلوں میں گئے رہتے ہیں۔ باہر نکلتے ہیں تو
گرم کپڑے پہن کر اور منہ سر اچھی طرح لپیٹ کر
دُعا کرتی نے بے احتیاطی کی اور وہیں اُسے نزلہ
زکام ہوا۔ جنوری میں باغبان اور مالی اپنے باغوں
میں نئے پودے لگانے کے لیے زمین تیار کرتے
ہیں۔ انگور، انجیر، گلاب اور انار کی قلمیں کاٹ
کر نندار ریت میں دبا دیتے ہیں۔ میدانی علاقوں
میں کسان گندم، جو اور اسی کی فصلوں کو پانی
دیتے ہیں، آلو کی فصل کی کھدائی کرتے ہیں اور
سرچ کی فصل کے لیے زمین تیار کرنے لگتے ہیں
خیبر یہ تو باہر کی بات ہے۔ گھروں کے اندر تو
رونق ہی اور ہوتی ہے۔ حلوے بن رہے ہیں،
طرح طرح کے میوے کھائے جا رہے ہیں۔ کھانا
ادھر کھایا ادھر بھنم۔ میں آتا ہوں تو ہر شخص کا
خون چٹکوں بڑھ جاتا ہے۔ بیماریاں سے بیمار آدمی
کا چہرہ بھی سیب کی طرح سرخ ہو جاتا ہے۔ اچھا

ضروری بھائی! اب تم اپنا حال کہو۔
ضروری: میں اپنا حال کیا کہوں، میرا زیادہ تر
حال تو جنوری جیسا ہی ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور
ہے کہ جب میں آتا ہوں تو اپنے ساتھ بڑی تیز
اور سرد ہوا لاتا ہوں۔ اس سے اُن غریب لوگوں
کو تکلیف ہوتی ہے جن کے پاس گرم کپڑے نہیں
ہوتے اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ سی سی کر رہے
ہیں، بتیسی بج رہی ہے، ناک سُسر سُسر رہی ہے
اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے مُنہ پر بے ہی نہیں
اس بینے میں ہی باغبان اور مالی بادام، خوبانی،
ناشیاتی وغیرہ کے درخت لگاتے ہیں۔ فالسہ اور
انار کی کاٹ چھانٹ کرتے ہیں اور انگور، انجیر
انار اور مٹھے کی قلمیں لگاتے ہیں۔ میدانی علاقوں
میں کسان فصلوں کو پانی دیتے ہیں۔ گنے کی کاشت
کے لیے زمین تیار کرتے ہیں اور بعض موٹے تنے
کی قسم کا گٹا بونا بھی شروع کر دیتے ہیں۔ گنے
کی پچھلی فصل کو بیچنے کا کام جو پہلے سے شروع
ہوتا ہے جاری رکھتے ہیں، اس سے گڑ تیار ہوتا
ہے، شکر تیار ہوتی ہے۔ گرم گرم گڑ اور شکر

علاقے میں تو مارچ بھی کافی سرد ہوتا ہے۔ ہاں سردی کا زور ضرور کچھ کم ہو جاتا ہے۔ سمجھ گئیں؟
چھوٹا : ہاں! اب میں سمجھ گئی ہوں جناب!
آپ آگے کیجیے۔

مارچ : بس اتنا ہی کافی ہے۔ اب تمہارے میزبان یعنی اپریل کی باری ہے۔

اپریل : میں اپنا حال کیا کہوں بھائیو۔ جو بات ظاہر ہو، بھلا اُسے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میرا حال تو اس لڑکی نے دیکھ ہی لیا ہے۔ میرا خیال ہے، زیادہ بیان کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔

چھوٹا : نہیں بھئی! اپنا کچھ اور حال بیان کیجیے
اپریل : اچھا! اپنے تھمان کی خواہش کو پورا کرنا ہر میزبان کا فرض ہوتا ہے۔ یہ تو تمہیں معلوم ہو ہی چکا ہے کہ جب میں آتا ہوں تو اپنے ساتھ بہار کا موسم لاتا ہوں۔ میرے آتے ہی ہر طرف بہار ہی بہار نظر آنے لگتی ہے۔ درختوں پر پھول نکل آتے ہیں اور پھلتی ہوئی برتن کے نیچے سے چاندنی کے ٹھٹھے ٹھٹھے سفید پھول جھانکنے

کیا بچے اور کیا بوڑھے سب مزے سے کھاتے ہیں جنوری : اب تمہاری باری ہے مارچ بھئی! مارچ : میں آتا ہوں تو سردی کم ہونے لگتی ہے۔ برتن گھٹنے لگتی ہے، درختوں میں نئے پتے نکلنے لگتے ہیں اور ٹنڈ ٹنڈ جھاڑیاں سرسبز ہونے لگتی ہیں۔ لوگ آہستہ آہستہ اپنے گرم کپڑے اتارتے لگتے ہیں۔ باغبان باغوں میں سیب اور آلوچے کے درخت لگاتے ہیں، بیر کا بیج بوٹتے ہیں اور کاغذی بیجوں اور لیچی کی داب لگاتے ہیں۔ میدانی علاقوں میں کسان مریچ کا بیج پھیری کے طور پر یاد دہانی ہی بوٹتے ہیں۔ اور کدو، خربوزہ، کرلیا، تر بوز وغیرہ بوٹے جاتے ہیں۔ میرے آتے ہی جاڑا گلابی ہو جاتا ہے۔

چھوٹا : (ٹوک کر) گلابی جاڑے کیسے ہوتے ہیں؟

مارچ : گلابی جاڑے ایسے موسم کو کہتے ہیں جس میں سردی بھی ہو اور گرمی بھی۔ دھوپ میں آئیں تو گرمی لگے اور سائے میں جائیں تو سردی لگے۔ لیکن یہ موسم صرف میدانی علاقوں میں ہوتا ہے۔ تمہارے

لگتے ہیں۔

پھول: یہ تو جنگل کا حال ہوا، کچھ باغوں اور کھیتوں کی بھی نشانیں۔

اپریل: لوسنوا اس مہینے میں باغبان جنگلی بیر کے درختوں کو پیوند کرتے ہیں۔ سیب، ناشپاتی، آڑو، بادام اور خوبانی کے درختوں کو پیوند لگاتے ہیں بیر اور لوکاٹ کے بیج بوتے ہیں۔ میدانی علاقوں میں کسان گندم کی کٹائی شروع کرتے ہیں۔ کپاس کے لیے زمین تیار کرتے ہیں۔ فردی اور مارچ میں بوٹی ہوئی بیلوں والی فصلوں میں گوڑائی، ٹلائی اور آبپاشی کرتے ہیں، گھیا توڑی بواتے ہیں اور بینگن کی پٹری کھیت میں لگاتے ہیں۔ یہ تو خیر کھیتوں کی باتیں ہیں، اصل اور دیکھنے کے قابل نظارہ تو یا اس جنگل میں ہوتا ہے یا کسی باغبان کے باغ میں جہاں ایک نہیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں قسم کے پھول کھلے ہوتے ہیں۔ رنگ، برنگے پھول جنہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے۔ جیسے خوبصورت پربیاں رنگ رنگ کے بال پھنے کھڑی ہیں۔ اب کہاں تک بیان کروں۔ میں اتنا ہی کافی ہے۔

جنوری: مٹی بھیا! اب تم اپنا حال کہو۔

مٹی: اپریل بھیا جس موسم کو لے کر آتے ہیں وہ مٹی میں بھی جاری رہتا ہے۔ لیکن سردی کم ہو جاتی ہے اور گرمی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ میدانی علاقوں میں وہ موسم آ جاتا ہے جس کے متعلق ایک شاعر نے کہا ہے۔

مٹی کا آن پہنچا ہے مہینا

بہا ایڑی سے چوٹی تک پسینا

پھول: خوب! بہت خوب! لیکن مٹی بھیا یہاں تو مٹی کے مہینے میں کسی کو پسینا نہیں آتا، بلکہ اچھی خاصی ٹھنڈ رہتی ہے۔

مٹی: میں نے تو میدانی علاقوں کی بات کی تھی ورنہ یہاں تو مٹی چھوڑ جون میں بھی کسی کو پسینا نہیں آتا۔ یہ علاقہ پہاڑی جو ہوا۔ خیر! اب میرا باقی حال سنو۔ میرے آتے ہی بازار میں قسم قسم کے پھل آ جاتے ہیں، کیلا، خربوزہ، ککڑی وغیرہ باغبان اس مہینے میں اپنے باغوں پر خاص توجہ دیتے ہیں۔ آڑو، آلوچہ، خوبانی اور ناشپاتی کے پھلوں کو ضرورت کے مطابق چھدرا کرتے ہیں۔

نہیں ہوتا! یہ آپ کہاں کا حال بیان کر رہے ہیں؟
 جُون : میدانی علاقوں کا — وہاں کچھ ایسا
 ہی حال ہوتا ہے۔ لیکن یہاں پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ
 سے موسم اچھا رہتا ہے۔ تبھی تو میدانی علاقوں
 کے امیر لوگ گرمیوں میں پہاڑی علاقوں میں چلے
 جاتے ہیں۔

پھول : اور پہاڑی علاقوں کے لوگ سردیوں
 میں میدانی علاقوں میں چلے جاتے ہیں۔
 جُون : میں آتا ہوں تو اپنے ساتھ گرمی کے
 کئی پھل لاتا ہوں جیسے آلو بخارا، فالسہ، شستہ اور

آم جے لوگ پھلوں کا بادشاہ کہتے ہیں۔ اس
 کے علاوہ آڈو ہوتے ہیں، ترہون ہوتے ہیں۔
 باغبان اپنے باغوں میں آڈو، آلوچے، خوبانی وغیرہ
 کو پیوند کرتے ہیں۔ سیب اور ناشپاتی کے پھلوں
 کو چھدرا کرتے ہیں۔ میدانی علاقوں میں کسان گندم
 کی کھائی کرتے ہیں۔ دھان کی پنیری بوتے ہیں۔
 پیاز کی فصل اکھاڑ لیتے ہیں۔ پھول کو بھی کی پود
 کھیتوں میں لگاتے ہیں۔ ٹماٹر کے لیے پنیری بوتے
 ہیں اور سردیوں میں بوٹی جانے والی سبزیوں

میدانی علاقوں کے باغبان اپنے باغوں کے درختوں
 کے تنوں کو دھوپ سے بچانے کے لیے ان پر
 چونے کی سفیدی کر دیتے ہیں۔ کسان گندم کی کھائی
 ختم کر کے اس کی گہائی شروع کر دیتے ہیں کیا
 کی بجائی اسی مہینے میں ہوتی ہے۔ میرے آس پاس
 ہی لوگ اپنے گرم کپڑے اتار پھینکتے ہیں اور
 بالکل ہلکا بھلکا لباس پہننے لگتے ہیں — بس
 بھٹی! مجھے جو کہنا تھا، کہ چکا۔

جنوری : اچھا! اب تم کچھ اپنا تعارف کراؤ
 جُون بھائی!

جُون : (مُکراتے ہوئے) میرا خیال ہے کہ
 اپنا تعارف کرانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔
 جُون اور جُون کی گرمی کو کون نہیں جانتا۔
 خیال آتے ہی بڑے بڑوں کے پسینے چھوٹنے لگتے ہیں۔
 پیسنا بہ رہا ہے۔ بار بار پیاس لگتی ہے۔
 لوگ پانی پر پانی پیے جاتے ہیں لیکن پیاس
 کہ بچنے کا نام نہیں لیتی۔ تو چلتی ہے اور نہ
 آسمان تو سے کی طرح تپتے ہیں۔

پھول : یہاں تو جُون میں کسی کا ایسا حال

کے لیے زمین تیار کرتے ہیں۔
 جنوری : جولائی بھیا ! اب تمہاری باری ہے۔
 جولائی : میں آتا ہوں تو وہ موسم آتا ہے جسے
 برسات یا برکھارت کہتے ہیں اور برسات نہ ہو تو
 لوگ جیٹیں کیے۔ مینہ چھم چھم برس رہا ہے۔ باغوں
 میں جھولے پڑے ہیں۔ عورتیں آبشاروں میں منہ دی
 رہائے، سُرخ سُرخ جوڑے اور دھانی پھوڑیاں
 جھول رہی ہیں۔ گیت گائے جا رہے ہیں۔ ایک
 طرف کڑا ہی چڑھی ہے۔ دوسری طرف پکوان پک
 رہے ہیں۔
 جنوری : بھئی ! تم تو سب سے نمبر لے گئے
 شاعری میں۔
 جولائی : ابھی کہاں بھیا ! ذرا تصویر کا دوسر
 رخ بھی دیکھو۔ برسات آئی۔ بجلی چمک رہی ہے
 بادل گرج رہے ہیں۔ سننے والوں کا کلیجہ دھلا جا
 رہا ہے۔ دھما دھم کی آوازیں آ رہی ہیں۔ یہ مکا
 بیٹھا، وہ پکھا گرا۔ جو مکان گرنے سے بچ گیا
 اُس میں یہاں ٹپکا لگا، وہاں ٹپکا لگا۔ کبھی اُدھر
 کے پھمپھم اُدھر بچھ رہے ہیں کبھی اُدھر کا

اُدھر آ رہا ہے۔ باہر نکلنا مشکل ہے۔ ذرا پاؤں
 باہر رکھا اور چھینٹے سر سے اُور گئے۔ سواری پاس
 سے نکل گئی تو کپڑے سب چھینٹم چھانٹ ہو گئے۔
 ذرا تیز چلے اور بھوتیاں کچھڑ میں پھنس کر رہ گئیں۔
 اور پھر پھسلن ایسی کہ جو ایک بار پھسلے تو ساری
 عمر گھر بیٹھ کر خدا کو یاد کرتا رہے۔
 پھول : خوب ! بہت خوب ! آپ نے برسات
 کا نقشہ خوب کھینچا ہے۔ مجھے یاد ہے ایک بار
 میری ماں نے مجھے ایک کہانی سنائی تھی جس میں
 ایک بڑھیا کی ملاقات جاڑے، گرمی اور برسات
 سے ہوتی ہے۔ اُس میں برسات نے بالکل ایسا
 ہی نقشہ کھینچا تھا جیسا آپ نے ابھی بیان کیا
 ہے۔

جولائی : اس مہینے میں پھلوں کے بادشاہ آم
 کی وہ بھناتات ہوتی ہے کہ لوگ تمام پھلوں کو
 بھول جاتے ہیں۔ جسے دیکھو آم کھا رہا ہے۔
 اس مہینے میں باغبان نئے پودے لگانے کے لیے
 گڑھے کھودتے ہیں اور ان میں کھاد اور مٹی وغیرہ
 ڈال کر انہیں پودے لگانے کے لیے تیار کرتے

کا نقشہ میں کھینچے دیا ہوں۔ بہاڑی علاقوں کی برسات کا کیا ہی کہنا۔ یہاں تو بادل لوگوں سے آنکھ مچولی کھیلنے رہتے ہیں۔ کبھی کسی کے گھر میں جا گئے اور گھر کی ایک ایک چیز کو تر کر گئے۔ کبھی کسی کے سامنے یا پیچھے سے گرد گئے اور وہ دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ گرمی کے مہینے ہیں تو میرے بھائی ہی لیکن وہ زمین کو جس بڑی طرح جھلسا کر رکھ دیتے ہیں اس سے نجات برسات کی بدولت ہی ملتی ہے۔ بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

جنوری: ستمبر بھائی! اب تمہاری باری ہے۔

ستمبر: میں آتا ہوں تو برسات کے چل چلاؤ کا عالم ہوتا ہے اور خزاں کی آمد آمد ہوتی ہے اس مہینے میں انگور اور سرسے جیسے مزیدار پھل بازار میں آ جاتے ہیں۔ باغبان اپنے باغوں میں آم کے پودوں کو پیوند لگاتے ہیں۔ کسان گندم وغیرہ کی بھائی کے لیے زمین کو تیار کرتے ہیں۔ اس مہینے میں آلو کی فصل بوئی جاتی ہے۔ اروی ادرک اور شکر قندی کی فصلیں بھی اسی مہینے میں تیار ہوتی ہیں اور کسان ان کی کھدائی شروع کرتے

ہیں۔ میدانی علاقوں میں کسان چاول کی پود کو کھیلوں میں لگاتے ہیں اور گتے اور کپاس وغیرہ کی فصلوں کو پانی دیتے ہیں۔ ہاں یہ کہنا بھول گیا کہ اس موسم میں لوگ باہر نکلتے ہیں تو عموماً چھتری وغیرہ ساتھ لے کر کیونکہ کوئی پتا نہیں ہوتا کہ کب بارش آ جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ گھر سے نکلے تو آسمان بالکل صاف لیکن تھوڑی دیر بعد ہی بادل گھر آتے ہیں اور چھابوں مینہ برسنے لگتا ہے۔ اس لیے جولا کے مہینے میں تم جب بھی باہر نکلو، تو چھتری لانا بھولنا۔

پھول: آپ کی اس نصیحت کا بے حد شکریہ جنوری: اچھا اگست بھیا! اب تم اپنا حال بیان کرو۔

اگست: میں اب اپنا حال کیا بیان کروں چلاؤ بھائی برسات کا جو نقشہ کھینچ گئے ہیں، اُسی میں میرا حال آ جاتا ہے۔ کیونکہ ہم دونوں مہینے برسات کے مہینے ہیں اور اس برسات کا زور کبھی جولا میں زیادہ ہوتا ہے اور کبھی اگست میں۔ ہاں جولا بھیا نے پہاڑوں کی برسات کا کچھ ذکر نہیں کیا۔

اس مہینے میں ہوتا ہے، وہ اور کسی مہینے میں نہیں ہوتا۔

جنوری: اب تمھاری باری ہے نومبر بھیا! نومبر: میں بھی اپنا کچھ حال بیان کرتا ہوں۔ یہ مہینا بھی ایک طرح سے خزاں کا مہینا ہے۔ اس مہینے میں سردی بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے لوگ گرم کپڑے پہننے لگتے ہیں۔ شلغم، مولی، پھول گو بھی اور بند گو بھی بازار میں آ جاتی ہے۔ پیاز، بیگن اور ٹماٹر کے بیج کی کاشت اسی مہینے کے شروع میں ہوتی ہے۔ اس مہینے کپاس کی چٹائی بھی جاری رہتی ہے اور گندم کی بجائی بھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی مہینے میں گنے کی بیلائی شروع ہوتی ہے اور گنے کے رس سے وہ گرم گرم گڑ اور شکر تیار ہوتی ہے جس کا ذکر فروری بھیا نے بڑے مزے لے لے کر کیا تھا۔ یاد ہے تمھیں!

پھول: ہاں! مجھے یاد ہے۔ نومبر: رس، گڑ اور شکر بننے کا کام میرے آنے سے ہی شروع ہوتا ہے اور میرا آنا گویا

پاک، میتھی اور دھنیا اسی مہینے لگایا جاتا ہے۔ تو ریا، سرسوں اور چنے اسی ماہ بوائے جاتے ہیں۔ تل، جوار، باجرہ، مونگ، موٹھ اور ماش کی کٹائی بھی اسی مہینے شروع ہوتی ہے۔ خیر یہ تو باغوں اور کھیتوں کا حال ہے۔ اس مہینے سے درازا سردی شروع ہو جاتی ہے۔ دن کو اچھی خاصی گرم ہوتی ہے اور رات کو ٹھنڈ ہو جاتی ہے۔ بس بھئی! اپنا حال تو ختم ہوا۔

جنوری: اکتوبر بھائی! اب تم اپنا تعارف کراؤ اکتوبر: میں آتا ہوں تو خزاں آ جاتی ہے۔ درختوں کے پتے جھڑنے لگتے ہیں اور جس درخت کو بھی دیکھو سوائے لند منڈ شاخوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی مہینے میں میدانی علاقوں کے کسان گندم کی کاشت شروع کرتے ہیں۔ کئی وغیرہ کی فصلوں کی کٹائی کرتے ہیں۔ جڑ والی سبزیوں مثلاً مولی، شلغم، گاجر، چغندر وغیرہ اور بالک، میتھی کی کاشت ہوتی ہے۔ اور مٹر کی کاشت بھی اسی مہینے میں کی جاتی ہے۔ غرض دیکھو کہ تو ہر طرف دیرانی ہی دیرانی نظر آتی ہے دیکھو

یہ اٹھیں سر کندوں اور گھاس پھوس وغیرہ سے ڈھانپ کر رکھتے ہیں۔ چھوٹے سیب اور ناشپاتی کے بیجوں کو ذخیرے میں لگاتے ہیں۔ خوبانی اور سیب کے پودوں کی کاٹ چھانٹ کرتے ہیں اور موسم بہار میں پودے لگانے کے لیے باغ کی زمین تیار کرتے ہیں۔ پھولوں کے بادشاہ گلاب کی کانٹ چھانٹ بھی اسی مہینے کی جاتی ہے۔ باقی رس، گڑ اور شکر کا قصبہ جو نومبر بھیا نے بیان کیا ہے، وہ اس مہینے میں بھی جاری رہتا ہے دسمبر اپنا حال کہہ کر خاموش ہو گیا تو جنوری نے پھول سے کہا۔

جنوری: دیکھو بیٹی! ہم بارہ مہینوں نے تم سے اپنا تعارف کرا دیا ہے۔ کو تم اب تو خوش ہو۔
پھول: میں اس کے لیے آپ کی بہت شکر گزار ہوں۔ آپ نے مجھے ایسی باتیں بتائی ہیں جو مجھے پہلے معلوم نہیں تھیں۔

جنوری: اور اب میں تمہیں ایک بہت ہی ضروری بات بتاتا ہوں۔ بیٹی! اس سال کے آخری

سرودی کے آنے کا الارم ہے لوگ میری آمد کے ساتھ ہی سرودی کے استقبال کی تیاریاں کرنے لگتے ہیں۔ نئے لحاف اور گدے بنائے جاتے ہیں، پرانے اڈھیڑ کر اُن میں دوبارہ رُوئی بھروائی جاتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پرانے لحاف میں سے سرودی چپکے سے گھس آئے اور کسی کو ہوا لگ جائے۔
بُن بھئی! اپنا حال تو ختم ہوا۔

جنوری: دسمبر بھیا! اب تمہاری باری ہے۔
دسمبر: تم سب تو اپنا اپنا حال بیان کر چکے ایک میں ہی رہ گیا ہوں۔ سال کا آخری اور بارہواں مہینا۔ لیکن سوچتا ہوں کہ اپنا حال کیا کہوں۔ جنوری بھائی نے اپنا جو حال کہا ہے، اُسی میں میرا حال بھی آ جاتا ہے۔ میں ختم ہوتا ہوں تو ساتھ ہی سال ختم ہو جاتا ہے۔ اور پھر نیا سال شروع ہو جاتا ہے۔ اس مہینے میں سرودی کے مختلف پھل مثلاً سیب، مالٹا، سنگترہ وغیرہ بازار میں آ جاتے ہیں اور لوگ انہیں خوب مزے لے لے کر کھاتے ہیں۔ اس مہینے میں برف بھی پڑنے لگتی ہے اور کھرا بھی باغبان اپنے پودوں کو کھڑے سے بچانے کے

دسمبر : لیکن دیکھنا کہیں راستہ نہ پھول جاتا۔
وہ دیکھو وہ جو سامنے برگد کا بوڑھا درخت ہے
اس کے پاس سے دو راستے نکلتے ہیں۔ دائیں
طرف کو جو راستہ جاتا ہے، وہ ہماری طرف یعنی
آنے والے دنوں کی طرف نکلتا ہے اور جو راستہ
بائیں طرف کو جاتا ہے وہ کہیں بھی نہیں جاتا۔
پھول : (حیران ہو کر) کہیں بھی نہیں جاتا!
یہ کیسے ہو سکتا ہے؟
دسمبر : اُس راستے پر جو بھی جائے گا، زندہ
نہیں بچے گا۔

اپریل : لیکن تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے۔ تمہارے
پاس میری انگوٹھی ہے۔ یہ انگوٹھی تمہاری ہر مشکل
کو آسان کرے گی۔

جنوری : اب تم جلدی سے اپنے گھر پہنچو۔ ایک
گھنٹا ختم ہونے ہی والا ہے۔ اس کے بعد میں
پھر یوف کے طوفان کو کھلا چھوڑ دوں گا۔

پھول : اچھا خدا حافظ!
تمام مہینے :- (ایک ساتھ) خدا حافظ!
اور اس کے بعد پھول نے پھولوں سے بھری

دن تمہاری ملاقات اکٹھے بارہ مہینوں سے ہوئی
ہے۔ اگست ابھی بہت دُور ہے لیکن وہ یہاں
تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ اپریل کے چاندنی کے
پھول کھلنے میں ابھی تین مہینے باقی ہیں، لیکن تم
اپنی لڑکری ان پھولوں سے بھر چکی ہو۔ اسی طرح
باقی مہینے ابھی بہت دُور ہیں لیکن تم انہیں دیکھ
چکی ہو۔ لوگ ہم تک ایک لمبا راستہ طے کر کے
پہنچتے ہیں لیکن تم سب سے چھوٹے راستے سے
ہم تک پہنچ گئی ہو۔ اس لیے یہ چھوٹا راستہ
کسی شخص پر ظاہر نہ کرنا۔

فروری : اور کسی کو یہ بھی نہ بتانا کہ تمہیں
یہ پھول کس نے دیے ہیں۔
پھول : میں یہ بات کسی کو نہیں بتاؤں گی۔

آپ بے فکر رہیں۔
جنوری : اگر تم اپنے وعدے پر قائم رہو گی
تو اگلے سال کے جشن میں ہم پھر تمہیں شریک
کریں گے۔

پھول : آپ کا بہت بہت شکریہ میں اگلے
سال ضرور آؤں گی۔

ہوئی ٹوکری سنبھالی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی
گھر کی طرف چل دی — اب اُس کے دل میں
کسی قسم کا ڈر نہیں تھا۔ وہ جلد سے جلد گھر پہنچ
جانا چاہتی تھی — !

انگوٹھی

صبح ہو چکی تھی۔ رانی اور موتی محل میں جانے
کی تیاری کر رہی تھیں۔ اُن کے سامنے فرش پر
چاندنی کے پھولوں سے بھری ہوئی وہ ٹوکری پڑی
تھی جو پھول جنگل سے لائی تھی۔
موتی : میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا اُتان
کہ پھول کو سب سے بڑی ٹوکری دو اب یہ غلطی
تمہاری ہے۔ بھلا اس ٹوکری میں کتنی اشرفیاں آ
سکتی ہیں؟
رانی : لیکن یہ کسے خیال آ سکتا تھا کہ پھول
زندہ واپس آ جائے گی۔ مجھے تو اس بات پر حیرانی
ہے کہ وہ یہ پھول لے کہاں سے آئی ہے؟
موتی : تم نے اُس سے پوچھا نہیں؟

رانی : نہیں بیٹی ! وہ جب پھول لے کر آئی
تو بہت خوش تھی۔ جیسے کسی جنگل سے نہیں کسی
جشن یا میلے سے آ رہی ہو۔ آتے ہی اُس نے
ٹوکری ایک طرف رکھی، نہ کچھ کھایا نہ کچھ پیلا،
سیدھی اپنے بستر میں جا گئی۔ میں پھولوں کو دیکھنے
لگی اور تھوڑی دیر بعد جا کر اُسے دیکھا تو وہ گہری
نیند سو رہی تھی۔ اور ابھی تک سو رہی ہے
میں نے اُسے جگانے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں
جاگی، بار کر مجھے خود صحن میں جھاڑو دینا پڑی، خود
برتن مانجنے پڑے اور خود پھولھا جلانا پڑا۔
موتی : میں اُسے جا کر جگاتی ہوں۔ تم اتنے
میں یہ پھول اس ٹوکری سے نکال کر بڑی ٹوکری میں
سجا دو۔

رانی : وہ ٹوکری خالی خالی نظر نہیں آتے گی؟
موتی : پھولوں کو ذرا پھیلا کر رکھ لینا یہ
کون سی مشکل بات ہے۔
یہ کہہ کر موتی اُس کمرے میں چلی گئی جہاں
پھول سو رہی تھی۔ رانی نے پھول چھوٹی ٹوکری
سے نکال کر بڑی ٹوکری میں رکھے اور جب وہ

ٹوکری خالی نظر آئی تو وہ سوچنے لگی کہ کیا ترکیب کروں
اس کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ پھولوں کے
بچے مٹی کی تہہ جما دی جائے۔
اُس نے صحن کے ایک کونے میں سے کچھ مٹی
کھودی اور اُسے ٹوکری کی تہہ میں جما دیا اس کے
بعد اس نے صحن میں لگے ہوئے درخت سے کچھ پتے
ٹوڑے اور ان پتوں سے پھولوں کے ارد گرد ایک
سبز حاشیہ سا بنا دیا۔ پھر دیکھ دیکھ کر خود ہی خوش
ہونے لگی کہ میں نے کیسی صفائی اور خوبصورتی سے
ٹوکری کو بھر دیا ہے۔
اتنے میں موتی اندر آئی۔

رانی : دیکھو بیٹی ! میں نے پھولوں کو کس
طرح سجایا ہے۔
موتی : (آہستہ سے) بہت خوب ! اور یہ بھی
دیکھو۔

رانی : ارے ! انگوٹھی ! یہ کہاں سے ملی تھیں؟
موتی : یہ پھول کی انگلی میں تھی۔ میں نے
چمکے سے اتار لی۔ وہ تو گھوڑے بیچ کر سو رہی ہے
رانی : اچھا ! میرا پہلے ہی یہ خیال تھا۔

محنت سے سچایا ہے ان کو — تم تاس کیوں

رہی ہو۔

پھول : خالہ ! میں جس ٹوکری میں پھول لائی تھی وہ کہاں ہے ؟

رانی : وہ پڑی ہے کھڑکی میں۔

پھول نے کھڑکی میں رکھی ہوئی ٹوکری کو اٹھایا اور اُسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

موتی : تم کیا ڈھونڈ رہی ہو پھول ؟

رانی : اسے چیزیں ڈھونڈنے کی پرانی عادت ہے۔ اگر یہ عادت نہ ہوتی تو اسے اس موسم میں چاندنی کے پھول کیسے مل جاتے۔

موتی : اور کل یہ جھگڑا کر رہی تھی کہ سردیوں میں چاندنی کے پھول نہیں ہوتے — آخر اب یہ تمہیں کہاں سے مل گئے ؟

پھول : جنگل میں سے۔

اور یہ کہہ کر وہ فرش کو دیکھنے لگی۔ اس پر رانی نے چڑ کر کہا۔

رانی : کیا ڈھونڈ رہی ہو تم ؟ بتاتی کیوں نہیں ہو ؟

موتی : کیا خیال آتا ؟

رانی : یہ پھول اُس نے نہیں توڑے۔ کسی نے اس کی مدد کی ہے اور یہ انگوٹھی بھی شاید اُسی نے دی ہے — ذرا دکھاؤ تو مجھے۔

رانی نے انگوٹھی موتی سے لے کر دیکھی اور حیران رہ گئی۔

رانی : ایسی جکدار انگوٹھی تو میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ بہت قیمتی معلوم ہوتی ہے تم اُسے اپنی انگلی میں پہن لو۔

موتی نے انگوٹھی اپنی انگلی میں پہننے کی کوشش کی لیکن وہ اس کے تنگ تھی۔

موتی : یہ انگوٹھی تنگ ہے ! کسی بھی انگلی میں نہیں آتی۔

اتنے میں پھول آنکھیں ملتی ہوئی اندر آئی۔ اُسے دیکھ کر موتی نے جلدی سے انگوٹھی کو اپنی جیب میں ڈال لیا۔ پھول نے پہلے تو ادھر ادھر دیکھا اور پھر ٹوکری میں پرٹے ہوئے پھولوں کو الٹ پلٹ کرنے لگی۔

رانی : کیا ہو گیا ہے تمہیں ! میں نے اتنی

پھول: تم نے کوئی لڑکی پڑی چیز اٹھا لی ہے غالمہ؟
 رانی: ہم کیوں اٹھاتے! ہم کوئی ندیدے ہیں۔
 موتی: معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری اپنی کوئی چیز کھو گئی ہے لیکن تم بتانا نہیں چاہتیں۔
 رانی: اگر تم بتا دو کہ تمہاری کیا چیز گم ہوئی ہے تو شاید ہم تمہاری کچھ مدد کر سکیں۔
 پھول: (دبھکتے ہوئے) میری انگوٹھی گم ہو گئی ہے۔
 رانی: لیکن تمہارے پاس تو کوئی انگوٹھی تھی ہی نہیں۔
 پھول: یہ انگوٹھی کل شام مجھے جنگل میں سے ملی تھی۔
 رانی: بڑی قسمت والی ہو تم۔ پہلے تمہیں پاندنی کے اتنے ڈھیر سارے پھول مل گئے۔ پھر انگوٹھی مل گئی۔ خیر تم انگوٹھی ڈھونڈو ہم تو محل جا رہے ہیں۔
 پھول: تم میری انگوٹھی کا کیا کرو گی غالمہ!
 مجھے واپس دے دو خدا کے لیے۔

79
 رانی: عجیب بے وقوف لڑکی ہے ہمیں کیا پتا تمہاری انگوٹھی کہاں ہے۔
 موتی: ہم نے تو اس کی شکل تک نہیں دیکھی۔
 پھول: موتی! میری انگوٹھی تمہارے پاس ہے مذاق نہ کرو اور انگوٹھی مجھے دے دو۔ تم محل میں پاندنی کے پھولوں کی ٹوکری لے کر جا رہی ہو۔ وہاں تمہیں ان کے بدلے ٹوکری بھر اشرنیاں مل جائیں گی ان سے تم جو چاہو گی، خرید سکو گی۔ لیکن میرے پاس تو اس انگوٹھی کے سوا کچھ بھی نہیں۔
 رانی: (جھڑکتے ہوئے) کیوں جھاڑ کی طرح پٹٹی جا رہی ہو معلوم ہوتا ہے کہ یہ انگوٹھی تمہیں پڑی نہیں ملی بلکہ کسی نے شخصے میں دی تھی۔
 موتی: بتاؤ! کس نے تمہیں انگوٹھی دی تھی۔
 پھول: کسی نے بھی نہیں۔ میں نے تو جنگل میں پڑی پائی تھی۔
 رانی: تو پھر کیوں یوں بلکان ہو رہی ہو۔ انگوٹھی جیسے آئی تھی، ویسے ہی چلی گئی۔
 پھر وہ موتی سے بولی۔
 رانی: جلدی کرو موتی۔ یہ ٹوکری اٹھا لو۔ محل

78
 پھول: تم نے کوئی لڑکی پڑی چیز اٹھا لی ہے غالمہ؟
 رانی: ہم کیوں اٹھاتے! ہم کوئی ندیدے ہیں۔
 موتی: معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری اپنی کوئی چیز کھو گئی ہے لیکن تم بتانا نہیں چاہتیں۔
 رانی: اگر تم بتا دو کہ تمہاری کیا چیز گم ہوئی ہے تو شاید ہم تمہاری کچھ مدد کر سکیں۔
 پھول: (دبھکتے ہوئے) میری انگوٹھی گم ہو گئی ہے۔
 رانی: لیکن تمہارے پاس تو کوئی انگوٹھی تھی ہی نہیں۔
 پھول: یہ انگوٹھی کل شام مجھے جنگل میں سے ملی تھی۔
 رانی: بڑی قسمت والی ہو تم۔ پہلے تمہیں پاندنی کے اتنے ڈھیر سارے پھول مل گئے۔ پھر انگوٹھی مل گئی۔ خیر تم انگوٹھی ڈھونڈو ہم تو محل جا رہے ہیں۔
 پھول: تم میری انگوٹھی کا کیا کرو گی غالمہ!
 مجھے واپس دے دو خدا کے لیے۔

میں ہمارا انتظار ہو رہا ہوگا۔

یہ کہہ کر دونوں ماں بیٹی دروازے کی طرف بڑھیں
پھول نے انہیں بہتری آوازیں دیں لیکن وہ تیزی سے
باہر نکل گئیں۔

پھول سوچنے لگی کہ اب میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں
خالہ اور موقی تو میری بات بھی سننا نہیں چاہتیں۔
بارہ مینے دُور ہیں اور انگوٹھی کے بغیر میں انہیں
تلاش بھی نہیں کر سکتی۔ اب کون میری مدد کرے گا؟
اُس نے سوچا کہ کیوں نہ میں ملکہ کے پاس جا
کر فریاد کروں؟ آخر میں ہی تو اُس کے لیے اتنے
ڈھیر سارے چاندنی کے پھول لائی ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ مجھے
پتھر کھائے اور اس طرح میری انگوٹھی مجھے واپس
مل جائے۔

لیکن پھر اُس نے سوچا کہ چاندنی کے پھولوں
کے بغیر تو مجھے محل میں کوئی بھی نہیں مانے دیگا
اور چاندنی کے پھولوں کی ٹوکری خالہ اور موقی لے
کر چلی گئی ہیں۔ میری بات کون مانے گا کہ یہ پھول
میں ہی توڑ کر لائی ہوں۔
یہ سوچتی ہوئی وہ چولہے کے پاس جا کر بیٹھ

گئی۔ اُس نے دو تین لکڑیاں چولہے میں ڈالیں۔ تو
آگ تیز ہو گئی۔ اس پر اُسے بارہ مینوں کا
گیت یاد آ گیا۔

اے آگ تیز اور تیز جل

شعلہ ترا ادخا رہے

اور بے اختیار اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ
آنسو گرنے لگے۔

نئے سال کا جشن

گئے۔ دروازہ کھلا اور ملکہ چندا بڑی شان سے اندر داخل ہوئی۔ ملکہ کے دائیں ہاتھ وزیر اعظم اور بائیں ہاتھ فوج کا کمانڈر انچیف تھا۔ پیچھے چند خدائیں تھیں جو ملکہ کے بھاری اور بیش قیمت لباس کے پچھلے حصے کو تھامے ہوئے تھیں تاکہ وہ زمین پر نہ گھسے پائے۔ اور ان سب کے پیچھے ماسٹر صاحب سر جھکائے ہوئے آ رہے تھے۔

ملکہ کے آتے ہی تمام مہمانوں نے ایک ساتھ مبارک باد دی۔

سب مہمان: نیا سال مبارک ہو ملکہ عالیہ! نیا سال مبارک۔

ملکہ: شکریہ! ہر نیا سال ہمارے لیے مبارک ہی ہوا کرتا ہے۔ لیکن ابھی تو نیا سال آیا ہی نہیں۔

مہمانوں نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اُن کا خیال تھا کہ ملکہ نے جان بوجھ کر یہ بات کہی ہے لیکن کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ ملکہ کو یہ یاد نہیں رہا کہ نیا سال شروع ہو چکا ہے۔ وزیر اعظم کا بھی یہی خیال تھا۔ اُس نے جھجک کر

محل میں شاہی تخت کے سامنے کا دروازہ اُن خوبصورت اور بہری بھری شاخوں سے سجا ہوا تھا جو بوڑھا سپاہی جنگل سے کاٹ کر لایا تھا۔ اس دروازے کو رنگ برنگی روشنیوں سے سجایا گیا تھا جگمگ جگمگ کرتے قیمتی لباس پہنے ہوئے مہمان ملکہ چندا کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ ان مہمانوں میں وزیروں اور امیروں کے علاوہ غیر ملکی سفیر بھی تھے۔ وہ سب اپنے اپنے بادشاہوں کی طرف سے ملکہ چندا کے لیے مبارک باد کا پیغام لے کر آئے تھے۔

شاہی بگلی نے بگل بجاکر ملکہ چندا کی آمد کا اعلان کیا تو سب مہمان ادب سے سر جھکا کر کھڑے ہو

ماسٹر صاحب : ہاں ملکہ حضور ! آپ میرا سر
تکلم کر سکتی ہیں۔ مجھے جیل میں ڈال سکتی ہیں لیکن
دسمبر کی سینتیس تاریخ کبھی نہیں ہوتی۔ دسمبر کے اکتیس
دن ہوتے ہیں۔ صرف اکتیس۔

ملکہ : خیر کوئی بات نہیں، میں نے سنا ہے
کہ کبھی کبھی بادشاہ بھی سچی بات سنانا پسند کرتے
ہیں۔ پھر جی جب تک یہاں چاندنی کے پھولوں سے
بھری ہوئی لٹوکری نہیں آئے گی، دسمبر ختم نہیں
ہو گا۔

ماسٹر صاحب : جیسے آپ کی مرضی ملکہ حضور !
لیکن چاندنی کے پھول یہاں آنے سے رہے۔

ملکہ : ہم دیکھیں گے۔
یہ کہہ کر ملکہ تخت پر بیٹھ گئی اور اشارے سے
وزیر اعظم کو بلایا۔

ملکہ : کیا بات ہے ؟ ابھی تک چاندنی کے
پھول نہیں آئے ؟ آپ نے میرا حکم ہر شخص
تک پہنچا دیا تھا ؟

وزیر اعظم : آپ کے حکم کی تعمیل کر دی گئی
ہے ملکہ عالیہ ! پھول ابھی آپ کے قدموں میں ڈھیر

سلام عرض کیا پھر کہا۔
وزیر اعظم : اجازت ہو تو میں عرض کروں ملکہ
عالیہ کہ آج جنوری کی پہلی تاریخ ہے۔
ملکہ : تم غلطی پر ہو۔

یہ کہہ کر اُس نے ماسٹر صاحب کو قریب آنے
کا اشارہ کیا۔

ملکہ : دسمبر کے کتنے دن ہوتے ہیں ماسٹر صاحب ؟
ماسٹر صاحب : ٹھیک اکتیس دن حضور !
ملکہ : تو پھر آج دسمبر کی بتیں تاریخ ہے۔
یہ سن کر سب مہمان ہنس پڑے لیکن ملکہ
نے اُن کو ڈانٹ دیا۔

ملکہ : کیوں ہنس رہے ہیں آپ لوگ ؟
میں نے کوئی مذاق تو نہیں کیا ہے آج دسمبر کی
بتیں تاریخ ہے۔ کل بتیں ہوگی اور پرسوں
پونیتیں۔ اس سے آگے کیا آتا ہے۔ ماسٹر صاحب ؟
ماسٹر صاحب : (جلدی سے) دسمبر کی پونیتیں، دسمبر کی
چھتیں، دسمبر کی سینتیں۔ لیکن یہ ناممکن ہے
ملکہ حضور !

ملکہ : آپ پھر وہی باتیں کرنے لگے ماسٹر صاحب !

وزیر اعظم کے بجائے پھولوں کو دیکھنا شروع کیا اور پھر یاسمن اور سفید گلاب کے پھول اٹھا کر ملکہ کی خدمت میں پیش کر دیے۔

وزیر اعظم : میرا خیال ہے ان میں سے ایک ضرور چاندنی کا پھول ہے۔
ملکہ : کونسا ؟

وزیر اعظم : جو آپ کو زیادہ پسند ہو ملکہ عالیہ !
ملکہ : کیا وہامیات بات ہے (ماسٹر صاحب سے) آپ کا کیا خیال ہے ماسٹر صاحب ؟ ان میں چاندنی کا پھول کون سا ہے ؟

ماسٹر صاحب : جہاں تک میرا خیال ہے حضور ! ان دونوں میں سے کوئی بھی چاندنی کا پھول نہیں۔
ملکہ : (شاہی مانی سے) تم بتاؤ۔ یہ کون کون سے پھول ہیں ؟

مالی : یہ سفید گلاب ہے حضور ! اور یہ یاسمن ہے جسے موتیا بھی کہتے ہیں۔

ملکہ : (دھڑکتے سے) مجھے موتیا دیتا نہیں چاہیے میں چاندنی کے پھول چاہتی ہوں۔ جو پھول تم نے آئے ہو ان میں چاندنی کے پھول ہیں یا نہیں

کر دیے جائیں گے۔
وزیر اعظم نے جیب سے رومال نکال کر بلایا۔ دروازہ کھلا اور کوئی ایک درجن مایوں کا جلوس پھولوں کی ٹوکریاں اگھداتے، بار اور حجرے نیچے اندر داخل ہوا۔ شاہی مانی نے گلاب کے شرح شرح پھولوں سے بھری ہوئی ایک بڑی سی ٹوکری ملکہ کی خدمت میں پیش کی۔ دوسرے مایوں نے بھی لالہ، نرگس، یاسمن، داؤدی، سنبل اور دوسرے بہت سے پھول ملکہ کے تخت کے گرد سجا دیے۔

رنگا رنگ پھولوں کو دیکھ کر درباری بے ساختہ واہ واہ ! میکار اٹھے۔ ہر شخص ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ان کی تعریف کرنے لگا۔ لیکن ملکہ کی نیوری پر کب پڑ گئے۔ اُس نے وزیر اعظم سے ٹوچھا۔

ملکہ : ان پھولوں میں چاندنی کے پھول

بھی ہیں ؟ وزیر اعظم ضرور ہوں گے ملکہ عالیہ !
ملکہ : مجھے دکھاؤ۔

دربان : دروغ میں سے کرا آئی ہیں۔

ملکہ : ان دونوں کو یہاں لے آؤ۔

دربان واپس چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد ہی رانی اور موتی اندر داخل ہوئیں۔ پھولوں کی ٹوکری موتی نے اٹھا رکھی تھی۔

موتی کے ہاتھ میں ٹوکری دیکھتے ہی ملکہ جھٹ تخت سے اُتری اور ٹوکری موتی سے لے لی۔ پھر جلدی سے ٹوکری پر پڑا ہوا رمال اتار کر ایک طرف پھینک دیا اور کہنے لگی۔

ملکہ : تو یہ چاندنی کے پھول ہیں؟

رانی : جی ہاں حضور! ہم اپنے ہاتھوں سے برف کے نیچے سے نکال کر لائے ہیں حضور!

ملکہ : (پھول اٹھا کر دیکھتے ہوئے) ہاں! یہی چاندنی کے پھول ہیں۔ آج تمام معان اپنے لباس میں یہی پھول لگائیں۔ آج میں کسی اور پھول کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ اٹھا لو یہ گلاب اور چنیلیاں دفع ہو جاؤ یہاں سے۔

شاہی مایوں نے مایوں کو اشارہ کیا۔ مایوں نے پھولوں کی ٹوکریاں اگلے

یہ بتاؤ مجھے؟

مالی : حضور! شاہی باغات میں چاندنی کا پھول نہیں پیدا ہوتا۔

ملکہ : تو پھر کہاں پیدا ہوتا ہے؟

مالی : جنگل میں حضور! جو اس کی اصل جگہ ہے۔

ملکہ : تو جاؤ جنگل سے لے کے آؤ۔

مالی : میں معافی چاہتا ہوں حضور! چاندنی کا یہ موسم نہیں ہے۔ یہ پھول تو کہیں اپریل میں جا کر کھلتے ہیں۔

ملکہ : (غصے میں آکر) یہ کیسی سازش ہے۔ ہر شخص اپریل اپریل کی رٹ لگا رہا ہے۔ میں دوبارہ یہ تمام سنا نہیں چاہتی۔ اگر آج چاندنی کے پھول نہیں آئے تو میں تم سب کی گردن مار دوں گی اتنے میں ایک درببان ہانتا کا نپتا آیا اور ملکہ کے سامنے جھک کر آداب بجالاتے ہوئے بولا۔

دربان : حضور! چاندنی کے پھولوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری محل میں آگئی ہے۔

وزیر اعظم : (حیران ہو کر) کون لایا ہے؟

ہار اور گجڑے اٹھائے اور جلدی سے باہر نکل گئے
اس کے بعد ملکہ مہمانوں میں گل چاندنی کے پھول
تقسیم کرنے لگی۔
ملکہ : (وزیر اعظم کو پھول دیتے ہوئے) لو
یہ تمہارے لیے ہے۔

وزیر اعظم : آپ کا بہت بہت شکریہ ملکہ عالیہ!
میں اس پھول کو سونے کے گلدستے میں رکھوں گا۔
ملکہ : ماسٹر صاحب! یہ پھول آپ کے لیے
ہے۔ اگرچہ آپ کہتے ہیں کہ چاندنی کا پھول سردیوں
میں نہیں کھلتا۔

ماسٹر صاحب : (پھول کو غور سے دیکھتے ہوئے)
واقعی سردیوں میں نہیں کھلتا حضور! میری عقل
حیران ہے۔ اس موسم میں یہ کہاں سے آگیا۔
ملکہ : ماسٹر صاحب! اگر آپ سکول کے
طالب علم ہوتے تو میں آپ کو کونے میں کھڑا
کر دیتی۔ چاندنی کا پھول دیکھ رہے ہیں اور پھر
بھی اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں۔

ماسٹر صاحب خاموش رہے۔ ملکہ چندا مہمانوں
کو ایک ایک پھول دیتی گئی۔ جب تمام مہمانوں

میں چاندنی کے پھول تقسیم ہو چکے تو ملکہ نے کوکری
جس میں کچھ پھول ابھی باقی تھے، وزیر اعظم کو
دے دی اور خود تخت پر آ کر بیٹھ گئی۔
ملکہ : آپ سب لوگوں کو چاندنی کا پھول
مل چکا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ میری ریاست
میں نیا سال شروع ہو گیا ہے۔ اب تم لوگ اپنی
مبارک باد پیش کر سکتے ہو۔
تمام مہمان : نیا سال مبارک ہو ملکہ عالیہ! نیا سال
مبارک ہو۔

ملکہ : نیا سال مبارک! نیا سال مبارک۔
کچھ دیر تک ہر طرف مبارک سلامت کا شور
ہوتا رہا اور جب یہ شور سہما تو رانی اور موتی،
ملکہ کے سامنے آئیں اور جھک کر آداب بجالائیں۔
رانی : ہماری طرف سے بھی نئے سال کی
مبارک باد قبول فرمائیے حضور!
ملکہ : (چونک کر) ارے! تم ابھی تک

یہیں ہو؟
رانی : ہاں حضور! ہم اپنے انعام کا انتظار
کر رہے ہیں۔

ملکہ : ارے ہاں! تمہیں ابھی اتنا مل رہا ہے۔ وزیر اعظم! ان کی ٹوکری اشرفیوں سے بھر دی جائے۔

وزیر اعظم: بابا بھر دی جائے ملکہ عالیہ؟
رانی: آپ کا وعدہ یہی تھا حضور! ٹوکری بھر پھول اور ٹوکری بھر اشرفیاں۔

وزیر اعظم: لیکن ملکہ عالیہ! ان کی ٹوکری میں تو پھولوں سے زیادہ مٹی تھی۔
ملکہ: انہیں پھولوں کے برابر اشرفیاں دے دی جائیں۔

وزیر اعظم نے ٹوکری اٹھالی اور اندر چلا گیا۔
ملکہ: دیکھا! اگرچہ اپریل ابھی نہیں آیا ہے

لیکن چاندنی کے پھول کھل چکے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے ماسٹر صاحب؟
ماسٹر صاحب: میں اب بھی اسے غلط خیال کرتا ہوں حضور!

ملکہ: کیا کہا، غلط؟
ماسٹر صاحب: جی ہاں حضور! یہ انہونی بات ہے آپ ان عورتوں سے دریافت فرمائیں کہ انہیں

چاندنی کے پھول کہاں سے ملے؟
ملکہ: (رانی اور موتی سے) بتاؤ یہ پھول تمہیں

کہاں سے ملے؟
رانی اور موتی خاموش رہیں تو ملکہ نے انہیں ڈانٹا۔
ملکہ: خاموش کیوں ہو؟ بتاؤ تمہیں یہ پھول

کہاں سے ملے؟
رانی: (موتی سے) تم بتاؤ۔
موتی: تم خود ہی بتاؤ نا۔

رانی آگے بڑھی اور گلا صاف کر کے بولی۔
رانی: ہم نے شاہی اعلان سنا تو فیصلہ کیا کہ چاہے اس کوشش میں ہماری جان ہی کیوں نہ

پہلی جائے، اپنی ملکہ کی خواہش کو ضرور پورا کریں گے اس وقت اندھیرا ہو چکا تھا اور سردی بڑھ رہی تھی لیکن ہم نے کوئی پروا نہیں کی۔ پھاوڑا لیا اور

خدا کا نام لے کر چل پڑے۔ پھاوڑے سے ہم نے اپنا راستہ بنایا اور برف کو کھودا۔ سردی کے مارے ہمارا خون جما جا رہا تھا لیکن ہم جنگل میں

بڑھتے چلے گئے۔ میری بیٹی سردی سے کانپ رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ بس اب کوئی دم میں ہیں



موت آجائے گی.....

ملکہ : (ٹوکتے ہوئے) پھر کیا ہوا؟

رانی : پھر حالت اور بھی خراب ہو گئی۔

برق کے تودے اور بھی بلند ہوتے گئے۔ سردی بڑھتی گئی اور جنگل میں اندھیرا ہوتا گیا۔ ہمیں کئی بار پیٹ اور گھنٹیوں کے بل رینگنا پڑا۔

ملکہ : (حیرانی سے) پیٹ اور گھنٹیوں کے بل رینگنا پڑا! پھر کیا ہوا؟

رانی : ہم اسی طرح پیٹ کے بل رینگتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور آخر کار ایک جھیل کے کنارے پہنچ گئے۔ جھیل کا پانی ابھی تک جما نہیں تھا اور اس کے کناروں پر بے شمار پھول آگے ہوئے تھے۔

ملکہ : چاندنی کے پھول؟

رانی : صرف چاندنی ہی کے نہیں۔ ہر قسم اور ہر رنگ کے پھول۔ بعض پھول تو ایسے تھے جنہیں ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ملکہ : (خوشی سے) اچھا! تو ابھی جاؤ اور چاندنی کے پھولوں کی ایک اور ٹوکری بھراؤ۔

رانی : حضور!

ہو گا۔ راستہ

آپ ہمیں گرم چٹے منگوا دیں۔ ہم ابھی کام لے جائیں گے۔

یہ کہہ کر رانی جھک کر اشرفیوں - اجمیل تو وہ ٹوکری اٹھانے لگی جو وزیر اعظم رکھ دی تھی۔

ملکہ : تمہیں چٹے مل جائیں گے (تسے) میں ایسی

ابھی یہیں پڑی رہتے دو۔ جب تم چاندی پتھروں کی دوسری ٹوکری لے آؤ گی تو تمہیں اکو قید کی دو ٹوکریاں مل جائیں گی۔ ویر نہ کرنا۔ جلدی آنا۔ رانی نے ٹوکری پھر فرش پر رکھ دی۔

اتنے میں خادم چٹے لے کر آ گیا۔

رانی : آپ کا بہت بہت شکریہ حضور! یہ کافی

گرم ہیں۔ اب ہمیں اجازت دیجیے۔

رانی اور موق نے جھک کر ملکہ کو سلام کیا

اور باہر کی طرف چلیں۔ مگر چند قدم ہی گئی تھیں

کہ ملکہ نے انھیں مٹھرنے کا حکم دیا۔

ملکہ : میرا خیال ہے کہ ہم سب اس خوبصورت

جمیل پر چلیں اور اپنے ہاتھوں سے چاندنی کے

پھول توڑیں۔

ملکہ : کیا بات ہے ؟ تم ماننا نہیں چاہتیں ؟

رانی : بہت لمبا اور دشوار سفر ہے حضور!

ملکہ : اتنا لمبا تو نہیں ہو سکتا۔ میں نے کل

شام ہی اعلان کرایا تھا اور آج تم پھول لے آئی

ہو۔

رانی : لیکن ہم تو سردی سے ادھ موٹے ہو

گئے تھے حضور!

ملکہ : کوئی بات نہیں ہم تمہیں گرم چٹے دے

دیں گے۔ انھیں پہن کر تمہیں سردی نہیں لگے گی۔

یہ کہہ کر ملکہ نے ایک خادم کو دو چٹے لانے

کا حکم دیا۔

رانی : (موق کے کان میں) اب کیا کریں ؟

موق : (آہستہ سے) ہم پھول کو پیچ دیں گے۔

رانی : اُسے اور پھول مل جائیں گے ؟

موق : ضرور مل جائیں گے۔

ملکہ : یہ تم کیا کانا پھوسی کر رہی ہو ؟

رانی : ہم جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔

حضور! کام بہت سخت ہے پھر بھی۔ ہم آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے پوری پوری کوشش کریں گے۔

رانی: حضور! میری مانیے۔ وہاں نہ جائیے۔
ملکہ: (خفتے سے) خاموش رہو۔ میں اب
تھکادی زبان سے ایک لفظ سننا نہیں چاہتی۔ جمیل

رانی : ضرور دکھا دے گی ! وہ ایک بار وہاں گئی ہے تو دوسری بار بھی جا سکتی ہے۔

ملکہ : ٹھیک ہے تم دونوں گھر جاؤ اور اس لڑکی کو لے کر آؤ۔ ہم محل کے باہر بگٹی میں تھلا انتظار کریں گے۔

رانی : ہم آدھ گھنٹے کے اندر اندر اُسے لے کر حاضر ہو جائیں گے۔

ملکہ : آدھے گھنٹے میں ؟ (ماسٹر صاحب) ماسٹر صاحب ! آدھے گھنٹے میں کتنے منٹ ہوتے ہیں بھلا؟ ماسٹر صاحب : گھنٹے میں ساٹھ منٹ حضور ! اور آدھے گھنٹے میں اس سے آدھے منٹ ہوں گے۔

ملکہ : آپ مجھے حساب کا سبق نہیں پڑھا رہے ہیں کہ میں جمع ، تفریق اور ضرب ، تقسیم کرنے بیٹھ جاؤں یہ نئے سال کا شاہی جشن ہے۔ جلدی بتائیے آدھے گھنٹے میں کتنے منٹ ہوتے ہیں ؟

ماسٹر صاحب : تیس !

ملکہ : اور کتنے سیکنڈ ؟

ماسٹر صاحب : ایک ہزار آٹھ سو۔

ملکہ : اوہ ! ایک ہزار آٹھ سو۔ میں جانتی ہوں

ہے اور اب انھیں صحیح صحیح بات بتانی ہی پڑے گی تو وہ دونوں ملکہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئیں اور رانی بولی۔

رانی : ہم نے خود یہ پھول نہیں توڑے ملکہ حضور !

ملکہ : (حیرانی سے) تم نے خود نہیں توڑے ! پھر کس نے توڑے تھے ؟

رانی : میری بھانجی پھول نے۔ وہی جنگل میں گئی تھی۔

ملکہ : اچھا ! تو جنگل میں تمہاری بھانجی گئی اور محل میں پھول لے کر تم آئیں تم اُسے اپنے ساتھ لے کر کیوں نہیں آئیں ؟

رانی : گھر کی دیکھ بھال کے لیے اُس کا وہاں رہنا ضروری تھا۔

ملکہ : گھر کی دیکھ بھال تم بھی تو کر سکتی تھیں رانی : اصل میں بات یہ ہے حضور کہ وہ بہت

شرمیلی ہے اور ملکہ : وہ ہمیں چاندنی کے پھولوں کی جگہ تک

پہنچنے کا راستہ تو دکھا سکتی ہے۔

کہ عدد جتنا بڑا ہو آپ کو اتنی ہی زیادہ خوشی ہوئی
ہے۔ خیر میں ایک ہزار سیکنڈ تک انتظار کروں گی۔
آپ اس کو نے میں کھڑے ہو کر سیکنڈ گنیے اور
جب ایک ہزار سیکنڈ پورے ہو جائیں تو مجھے
بتا دیجیے۔

مانسٹر صاحب جیب سے گھڑی نکال کر سیکنڈ گنے
لگے اور رانی اور موتی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی
پھول کو لینے گھر کی طرف روانہ ہو گئیں۔

ایک ٹوکری اور چاہیے

رانی اور موتی گھر پہنچیں تو پھول ابھی تک
چولہے کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

رانی : بیٹی ! میری پیاری بیٹی !

موتی : بابی ! میری اچھی بابی !

پھول نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ ان

کے لیے پر بڑی حیران ہوئی اور کہنے لگی۔

پھول : یہ تم کے بھلا رہی ہو غلام ؟

رانی : تمہیں ہی تو بھلا رہی ہوں بیٹی ! میں

اپنی پیاری پھول کو بھلا رہی ہوں۔

پھول : (حیران ہو کر) کیا واقعی غلام ! لیکن

پہلے تو تم نے کبھی مجھے اس طرح نہیں بھلایا۔ کیا

تمہیں اشرفیاں مل گئی ہیں ؟

پھول : میں نہیں بتاؤں گی۔

رائی : میں نے راتنی مدت تجھے کھلایا پلایا ہے
بالا پوسا ہے۔ تو چھوٹی سی غنی جب تیری ماں
مر گئی تھی۔ تب سے میں نے ہی تجھے ماں بن کر پالا
ہے۔ لیکن تو راتنی پتھر دل ہے کہ اس مصیبت کے
وقت ہماری امداد نہیں کرتی — ہائے میرے اللہ!
کیا نیکی کا یہی صلہ ہے؟

موتی : ہم تو کہیں چھپ بھی نہیں سکتے جہاں
ہی جائیں گے ملک کے سپاہی ڈھونڈ کر پکڑ لیں گے۔
یہ کہہ کر دونوں ماں بیٹی دھاڑیں مار مار کر رونے
لگیں۔ پھول کے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ ہلدی سے
انجی اور بولی۔

پھول : اچھا! میں کوشش کروں گی۔ لاؤ مجھے
ٹوکری دو۔

رائی : (خوش ہو کر) پھول بیٹی! تم کتنی اچھی ہو
لو یہ رہی ٹوکری۔

پھول : ایک بات بتاؤ خالہ! میری انگوٹھی
تمہارے پاس ہے؟

رائی : ہاں بیٹی! تم نے وہ انگوٹھی خرش پڑ

رائی : نہیں۔

پھول : کیوں نہیں ملیں؟ کیا انہیں چاندنی کے
پھول پسند نہیں آئے؟

موتی : لعنت بھیجو ان پر — انہی پھولوں کی
وجہ سے ملک اب پھر ہمیں جنگل میں بھیجنا چاہتی ہے۔
وہ ہم سے چاندنی کے پھولوں کی ایک اور ٹوکری منگوانا
چاہتی ہے۔ شاید تمہیں ایک بار پھر وہاں جانا پڑے
میری اچھی باجی! جاؤ گی نا؟ بولو تم خاموش کیوں ہو؟
اگر تمہیں اکیلے وہاں جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے تو میں
تمہارے ساتھ چلوں گی۔

رائی : دیکھو پھول! ہمارے پاس اتنا وقت
نہیں ہے کہ تمہاری خوشامد کر سکیں۔ اگر تم نے
ہماری مدد نہیں کی تو ملک ایک گھنٹے کے اندر اندر
ہمارے سر قلم کر دے گی۔

پھول : میں وہاں نہیں جا سکتی۔

موتی : بس تو پھر ہم مارے جائیں گے۔

رائی : پھول میری بچی! میں خود وہاں جانے

کے لیے تیار ہوں لیکن مجھے تو پتا ہی کچھ نہیں ہے۔

تم کم سے کم مجھے راستہ ہی بتا دو۔

کی ایک اور ٹوکری مل گئی تو وہ انگوٹھی واپس کر دے گی۔ یہ اُس کا وعدہ ہے۔

پھول : لیکن وہ اس انگوٹھی کا کیا کرے گی ! اُس کے پاس تو اس سے بھی اچھی بیسیوں انگوٹھیاں ہوں گی۔

یہ کہہ کر وہ پھر فرش پر بیٹھ گئی۔ موقی گھبرا گئی اور کہنے لگی۔

موقی : کیا بات ہے ؟ تم پھر فرش پر کیوں بیٹھ گئی ہو ؟ کیا تم نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے یا تم یہ چاہتی ہو کہ میں تمہارے پاؤں پکڑ کر خوشامد کروں ؟ پھولی : جی تو میرا یہی چاہتا ہے۔ آخر تمہیں اپنی بے وقوفی کی کچھ تو سزا ملے۔ تمہیں میری انگوٹھی وہاں نہیں لے جانی چاہیے تھی اور لے گئی تھیں تو ملکہ کو نہیں دینی چاہیے تھی۔ لیکن میں تمہارے ساتھ وعدہ کر چکی ہوں۔ اس لیے جاؤ گی اور ضرور جاؤ گی۔

موقی : اور میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔

پھول : نہیں میں اکیلی جاؤں گی۔

رانی : اچھا جیسے تمہاری مرضی۔ تم اکیلی جانا

گرا دی تھی اور تمہاری بہن نے اُسے اٹھا لیا تھا۔ پھول : تو لاؤ مجھے دے دو۔

پھول کی یہ بات سن کر رانی نے موقی کی طرف دیکھا اور موقی نے رانی کی طرف۔ موقی انگوٹھی واپس دینا نہیں چاہتی تھی۔ ماں بیٹی نے اشاروں ہی اشاروں میں کچھ باتیں کیں۔ پھر رانی کہنے لگی۔

رانی : میرے اٹھ! ہم سے کتنی بڑی غلطی ہوئی۔ ہمیں تم کو بتانا یاد نہیں رہا کہ وہ انگوٹھی تو ہم سے ملکہ نے لے لی ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ جب تک پھولوں سے بھری ہوئی ایک اور ٹوکری نہیں آئے گی، وہ اشرنیاں اور انگوٹھی اپنے پاس ہی رکھے گی۔

پھول : لیکن اُسے میری انگوٹھی کا پتا کیسے چلا؟ رانی : یہ سب تمہاری بہن کی غلطی ہے۔ اس نے وہ انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن لی تھی۔ ملکہ کی نظر فوراً اُس پر جا پڑی۔

موقی : ہاں پھول ! اور اُس نے دیکھتے ہی اُتروا لی۔ میں مانتی ہوں کہ یہ میری غلطی تھی۔ لیکن تم ناراض نہ ہونا پھول ! ملکہ کو چاندنی کے پھولوں

مگر گڑیاں کھیلو گی ؟

موتی : میں یہ کترین درختوں کی شاخوں اور
جھاڑیوں میں باندھتی جاؤں گی۔ اگر میں نے اپنے پیچھے
کوئی نشانی نہ چھوڑی تو پھر تمہیں اور ملکہ کو جنگل میں
راستہ کیسے ملے گا ؟

رانی : تم بہت عقلمند ہو بیٹی ! بہت ہی عقلمند
ہیں اب تم جلدی سے پھول کے پیچھے پیچھے جاؤ
اور ملکہ کا جلوں تمہارے پیچھے پیچھے آئے گا۔
یہ کہہ کر رانی نے جلدی جلدی گھر میں سے رنگدار
کترین جمع کیں اور ان کی ایک پوٹلی بنا کر موتی کے
حوالے کر دی۔ پوٹلی لیتے ہی موتی پھول کے پیچھے
پیچھے چل دی اور رانی محل کی طرف روانہ ہو گئی۔

چاہتی ہو تو اکیلی ہی چلی جاؤ لیکن خدا کے لیے جلدی
کر دو۔

پھول ٹوکری لے کر فرش سے اُٹھی اور خاموشی
کے ساتھ باہر نکل گئی۔ اس کے باہر جاتے ہی
رانی اور موتی دونوں کھڑکی میں آکھڑی ہوئیں اور
اُسے جاتے ہوئے دیکھنے لگیں۔ جب وہ گلی کا موڑ
مٹ کر اُن کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو رانی
نے کہا۔

رانی : دیکھو بیٹی ! تم اُس کے پیچھے پیچھے جاؤ
اور میں محل میں جا کر ملکہ کو بتاتی ہوں کہ میں نے
اپنی بھانجی اور بیٹی کو جنگل کی طرف بھیج دیا ہے۔
لیکن دیکھنا۔ اُسے تمہارا پتا نہ چلنے پائے۔ تم
جانتی ہی ہو کہ وہ کتنی بد دماغ ہے۔ اُسے پتا
چل گیا تو وہ واپس آ جائے گی اور پھر ہماری خیر
نہیں۔

موتی : بہت اچھا اماں ! میں پوری احتیاط کروں گی
اب تم یوں کر دو کہ جلدی سے مجھے بہت سی
رنگدار کترینیں دے دو۔

رانی : اُن کا کیا کرو گی ؟ کیا جنگل میں بیٹھ

اولی طرف جاتا ہے۔ وہاں کئی بھی نہیں جاتا
وہ فردا آگے بڑھی تو اُسے وہ درخت بھی
نظر آگیا اور اس کے پاس سے نکلتے ہوئے دو
راستے بھی دکھائی دیئے گئے۔

وہ یہ دیکھ کر بڑی حیران ہوئی کہ دائیں طرف
کو جانے والا راستہ تنگ اور اونچا نیچا ہے ، اور
ایک خطرناک ڈھلان کی طرف جاتا ہے اور بائیں
طرف کو جانے والا راستہ ہموار ، کشادہ اور صاف
ہے اور دور تک چلا گیا ہے۔ وہ سوچنے لگی کہ
یہی وہ راستہ ہے جو کہیں بھی نہیں جاتا اور اس
پر چلنے والا راستے میں ہی کہیں ٹھکچ کر رہ
جاتا ہے۔ پھر اُس نے ذرا غور سے دیکھا تو
اس راستے پر کافی دور ایک بھیل بھی دکھائی۔
وہ سوچنے لگی کہ یہ بائیں راستہ اتنا صاف اور
ہموار ہے کہ ناواقف آدمی ہر صورت میں یہی
راستہ پسند کرے گا لیکن میں یہ راستہ اختیار نہیں
کروں گی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ یہ راستہ تباہی
کا راستہ ہے۔ دوسرا راستہ اگرچہ تنگ اور
خطرناک نظر آتا ہے لیکن میں اسے ہی اختیار

دو راستے

پھول آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی جنگل میں
جا پہنچی۔ رات بھر برف پڑتی رہی تھی۔ کیا
درخت اور کیا جھاڑیاں ، سب نے برف کا سفید
سفید لباس پہنا ہوا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو ضرور
جھٹک کر رہ جاتا لیکن پھول کے لیے اس جنگل
کا اکثر حصہ دیکھا بھالا تھا۔ وہ بغیر کسی وقت
کے اُس درخت کے قریب پہنچ گئی جہاں اُسے
بارہ مہینوں کا اولہ نظر آیا تھا۔

اُس نے اس درخت کو دیکھتے ہی پہچان
لیا اور سوچنے لگی کہ بوڑھے برگد کا وہ درخت
بھی زیادہ دور نہیں ہوگا جس کے پاس سے وہ
راستے نکلتے ہیں۔ دایاں راستہ بارہ مہینوں کے

میں یہاں پہنچا ہی چاہتے ہیں۔
پھول : انہیں یہاں تک آنے کا راستہ کیسے
علوم ہوا ؟

موتی : میں اپنے پیچھے درختوں کی شاخوں اور
جاڑیوں میں کپڑے کی کترتیں باندھ آئی ہوں۔ اب
جلدی سے وہ جگہ دکھا دو جہاں چاندنی کے پھول
ملنے ہیں اور میرے کی انگوٹیاں ملتی ہیں۔

پھول : میں بھی کتنی احمق ہوں !
موتی : تم بالکل ٹھیک کہتی ہو ! لیکن حماقت
میں اندس کرنے کا یہ وقت نہیں ہے۔ اب تم
اپس نہیں جا سکتیں۔ بلکہ ہمارے ساتھ تمھارا سر
میں قلم کرا دے گی۔

پھول نے تھوڑی دیر کچھ سوچا۔ اُسے وہ
مذموم وعدے یاد آ گئے جو اُس نے بارہ مہینوں
کے ساتھ کیے تھے۔ اُس نے اپنے جی میں کہا
مجھے دائیں طرف جانے والے راستے کا راز ظاہر
میں کرنا چاہیے۔ وہ کہنے لگی۔

پھول : اچھا میں آگے چلتی ہوں۔
موتی : بتاؤ اب ہمیں کس طرف جانا ہے ؟

کروں گی کیونکہ یہی راستہ مجھے بارہ مہینوں کے
تک لے جائے گا

اب وہ برگد کے درخت کے بالکل قریب
پہنچ چکی تھی۔ اُس نے اپنی چادر کو اچھی طرح
جسم کے گرد لپیٹا۔ پھر وہ دائیں طرف کو جانے
والے راستے پر جانے ہی لگی تھی کہ اُسے ایک
پتھر سنائی دی۔ وہ فوراً رک گئی اور چونک بیٹھے
کی طرف دیکھا تو حیران رہ گئی۔ یہ موتی تھی۔

پھول : (غصے سے) تم کہاں سے آن چکیں ؟
موتی : ابھی بتاتی ہوں۔ ذرا سانس لے لوں۔
اس درخت پر سے اتنی ڈھیر ساری برف میرے
اوپر گری کہ میری تو جان ہی نکل گئی۔

پھول : تم نے میرا پیچھا کیوں کیا۔
موتی : اماں نے مجھے بھیجا ہے۔
پھول : اب میں آگے نہیں جاؤں گی۔ میں نے
غلطی کی جو تم پر ترس کھایا۔

موتی : تم اب واپس نہیں جا سکتیں ! بلکہ
اُس کے دوباروں کا جلوس ہمارے پیچھے آ
رہا ہے اور اماں ان کے ساتھ ہیں۔ وہ کوئی دم

اب تو مجھے کوئی نشان بھی دکھائی نہیں دیتی۔ کہیں
میں راستہ تو نہیں بھول گئے؟
داروغہ: نہیں بھئی نہیں۔ وہ دیکھو سامنے ایک
جھاڑی میں رنگ دار کپڑے کی کترن بندھی ہوئی
ہے۔

سپاہی: ٹھیک ہے! خدا تیز ہاتھ چلاؤ لعنت
ہے چاندنی کے پھولوں پر جس نے ہمیں اس مصیبت
میں ڈالا ہے!

بہادر: ہم سپاہیوں کی زندگی تو ایسی ہی ہوتی
ہے۔ صبح مصیبت، شام مصیبت۔ دن مصیبت
رات مصیبت۔ لیکن وہ سپاہی ہی کیا جو ان سے
گھبرا جائے۔

وہ یہ باتیں کر رہی رہے تھے کہ ملکہ وزیراعظم
ماسٹر صاحب اور رانی کے ہمراہ وہاں آ پہنچی۔ ان
میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک ٹوکری
تھی۔

ملکہ: (ماسٹر صاحب سے) ماسٹر صاحب!
آپ کہا کرتے ہیں کہ جنگل میں قسم قسم کے جانور
ہوتے ہیں۔ کہاں ہیں وہ؟ فوراً مجھے دکھائیے۔

پھول: (دائیں طرف اشارہ کر کے) اس طرف۔
موتی: بہت خوب۔ یہ راستہ صاف بھی ہے
اور کشادہ بھی۔

یہ کہہ کر موتی نے اس راستے پر ایک چھوٹی
سی جھاڑی میں رنگ دار کپڑے کی ایک کترن
باندھ دی۔ پھول رک گئی اور بولی۔

پھول: میری بات مان لو تو اچھا ہے تمہیں میرے
پیچھے نہیں آنا چاہیے۔

موتی: تم اپنا کام کرو۔ میرا فکر کرنے کی ضرورت
نہیں۔

پھول: اچھا، جیسے تمہاری مرضی۔

یہ کہہ کر پھول آگے بڑھ گئی اور موتی بھی اس
کے پیچھے پیچھے ہوئی۔

ان کے جانے کے کچھ دیر بعد ملکہ کے سپاہی
پھاوڑوں اور بیلچوں کی مدد سے راستہ بناتے ہوئے
وہاں تک پہنچے۔ بوڑھا سپاہی بہادر اور محل کا داروغہ
بھی ان کے ساتھ تھے۔

ایک سپاہی: میرے خدا! یہ راستہ تیار کرنا
بھی ہمارے لیے عذاب سے کم نہیں ہے، اور

ماسٹر صاحب : میرا خیال ہے کہ وہ سو رہے ہوں گے۔

ملکہ : (حیرانی سے) سو رہے ہیں ؟ لیکن یہ تو دن کا وقت ہے۔

ماسٹر صاحب : حضور ! بہت سے جانور سردیاں شروع ہونے سے پہلے ہی سو جاتے ہیں اور بہار کا موسم شروع ہونے تک سوئے رہتے ہیں جب برف پگھلنی شروع ہوتی ہے۔ تب کہیں جاگتے ہیں۔

ملکہ : (حیران ہو کر) بڑے تعجب کی بات ہے وہ اتنے ہینے کیسے سوئے رہتے ہیں ؟ انھیں جھوک پیاس نہیں لگتی ؟

اتنے میں ملکہ کی نظر ان سپاہیوں پر پڑی جو بیلچوں اور پھاوڑوں سے راستہ صاف کر رہے تھے وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ایک سپاہی نے پہلے تو اپنی ٹوپی اتار دی اور پھر وردی بھی اتار ڈالی۔ اسے دیکھ کر دوسرے سپاہیوں نے بھی ایسا ہی کیا اور پھر بیلچے اور پھاوڑے چلانے میں مشغول ہو گئے۔

ملکہ : یہ کیا بات ہے ماسٹر صاحب ؟ ہم نے تو اوپر نیچے دو دو تین تین گرم لباس پہن رکھے ہیں اور پھر بھی سردی سے مرے جا رہے ہیں اور ادھر ان سپاہیوں نے اپنی وردیاں بھی اتار پھینکی ہیں ؟

ماسٹر صاحب : (سردی سے کانپتے ہوئے) یہ تو بڑی سیدھی سی بات ہے ملکہ حضور ! محنت سے غون کی گردش تیز ہو جاتی ہے اور اس سے آدمی کا بدن گرم ہو جاتا ہے۔

ملکہ : محنت ! غون کی گردش ! میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ! میں ان سپاہیوں سے پوچھتی ہوں۔ بلائیے انھیں۔

وزیر اعظم لپک کر دو سپاہیوں کو بلا لایا۔ ان میں ایک تو وہی بہادر تھا اور دوسرا ایک نوجوان سپاہی شیر۔ شیر نے ملکہ کے سامنے آکر اپنی پٹائی سے پسینا پونچھا تو ملکہ نے کہا۔ ملکہ : تم نے اپنا ماتھا کیوں پونچھا ؟ شیر : میں معافی چاہتا ہوں حضور ؟ ملکہ : میں نے معاف کیا لیکن یہ بتاؤ کہ تم

نے ایسا کیوں کیا ؟
 شیر : بے وقوفی کی وجہ سے حضور ! خدا
 کے لیے آپ ناراض نہ ہوں۔
 ملکہ : میں ناراض نہیں ہوں۔ تم ڈرو مت
 یہ بتاؤ کہ تم نے اپنا ماتھا کیوں پونچھا تھا ؟
 شیر : (گھبرا کر) مجھے پسینا آ رہا تھا حضور !
 ملکہ : پسینا آ رہا تھا ! کیا مطلب ؟
 بہادر : اسے گرمی محسوس ہو رہی تھی حضور !
 ملکہ : تمہیں بھی گرمی محسوس ہو رہی ہے ؟
 بہادر : جی حضور !
 ملکہ : کیوں ؟
 بہادر : بیلچہ اور پھاوڑا چلانے کی وجہ سے !
 ملکہ : اچھا تو یہ بات ہے۔ میں حکم دیتی ہوں
 کہ سب لوگ گتھیوں سے اتر آئیں اور بیلچے
 اور پھاوڑے لے کر راستہ بنائیں۔ لاؤ ایک پھاوڑا
 مجھے بھی دو۔
 ملکہ کا حکم تھا۔ سب لوگ گتھیوں سے اتر
 آئے۔ کسی نے بیلچہ سنبھالا اور کسی نے پھاوڑا اور
 پھر راستے سے ہٹ جاتے گئے۔ ملکہ نے بھی ایک

پھاوڑا لے کر اگلے سیدھے ماتھ چلانے شروع
 کر دیے۔ تھوڑی دیر بعد ہی اُس نے پھاوڑا ماتھ
 سے رکھ دیا اور پیشانی پونچھتے ہوئے کہنے لگی۔
 ملکہ : سپاہی ٹھیک کہتے ہیں۔ واقعی اس
 طرح گرمی محسوس ہونے لگتی ہے۔ مجھے پسینا
 آ گیا ہے۔ اچھا ! اب پھینک دو اپنے بیلچے اور
 پھاوڑے۔ اتنا ہی کافی ہے۔
 یہ سن کر سب لوگوں نے بیلچے اور پھاوڑے
 پھینک دیے اور ملکہ کا شکریہ ادا کرنے لگے۔
 صرف سپاہی اپنے کام میں لگے رہے۔
 ملکہ : اب میں کس طرف جاتا ہے ؟
 رانی : اس طرف ملکہ حضور ! یہ دیکھیے میری
 بیٹی نے اس جھاڑی میں نشانی باندھ دی ہے تاکہ
 آپ کو راستہ تلاش کرنے میں دقت نہ ہو۔
 ملکہ : (خوش ہو کر) آؤ آگے چلیں گتھیوں
 اور گھوڑوں کو یہیں رہنے دو۔ پیدل چلنے سے ہم
 گرم رہیں گے اور سردی نہیں لگے گی۔

موتی : تم تو مجھے ڈرا رہی ہو !
 پھول : میں تمہیں ڈرا نہیں رہی - حقیقت
 بیان کر رہی ہوں - بہتر ہے کہ تم واپس چلی جاؤ
 اور ملکہ سے کہہ دو کہ وہ فوراً اس جنگل سے
 نکل جائیں - اگر انہیں اپنی جان پیاری ہے -
 موتی : نہیں مجھے واپس جاتے ہوئے ڈر لگتا
 ہے - ملکہ مجھے پھانسی پر لٹکا دے گی - تم یہ بتاؤ
 کہ ہمیں ابھی اور کتنا راستہ طے کرنا ہے ؟
 پھول : ابھی بہت سفر باقی ہے کم سے کم تین
 چار مہینے لگ جائیں گے -
 موتی : تین چار مہینے !
 پھول : ہاں !
 موتی : لیکن تم کل ہی تو یہاں سے پھولوں کی
 ٹوکری بھر کر لے گئی تھیں -
 پھول : کل دُور جا چکا ہے موتی ! تم اسے کبھی
 نہیں پکڑ سکتیں -
 موتی : میں کچھ نہیں سمجھی کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو
 سیدھی طرح بتاؤ کہ یہ راستہ کہاں جاتا ہے ؟
 پھول : تمہیں دکھانی نہیں دے رہا ؟ اس جمیل

انگوٹھی کی کرامت

پھول اب جمیل کے قریب پہنچ چکی تھی - اس
 نے مڑ کر دیکھا - موتی گرتی پڑتی اس کے پیچھے
 چلی آ رہی تھی - پھول رک گئی اور اُسے دیکھنے
 لگی - اُس نے پھول کے پاس آ کر کہا -
 موتی : تم تو اتنی تیز چلتی ہو کہ مجھے حیرانی
 ہوتی ہے - معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگل کا ایک
 ایک کونا تمہارا دیکھا بھالا ہے - میرا حال دیکھو ،
 پہلے میں ایک گرہے میں گر پڑی اور مرتے مرتے
 پہنچی - پھر ایک جھاڑی میں الجھ کر رہ گئی جس
 سے میرے چہرے پر خراشیں آ گئیں - تو بہ ! کتنا
 خوفناک راستہ ہے -
 پھول : آگے شاید اس سے بھی بُرا حال ہو -

آنے لگیں۔

اس طرف چلے حضور!

”ذرا سنبھل کر قدم رکھیے ملکہ عالیہ!“

”یہ جھاڑی پکڑ لیجیے ملکہ حضور!“

”دیکھیے حضور! احتیاط سے قدم رکھیے!“

”کہیں پھسل نہ جائیے گا حضور!“

سب سے پہلے رانی جھیل پر آئی۔ جھیل کو

دیکھتے ہی وہ خوش ہو گئی اور اپنے آپ سے

کہنے لگی۔

رانی: افس! یہ تو سچ مج کی جھیل ہے۔

قربان جانیے خدا کی شان کے۔ کبھی کبھی وہ ہماری

زبان سے نکلے ہوئے جھوٹ کو بھی سچ کر دیتا ہے

اتنے میں ملکہ اپنے درباریوں کے ساتھ

جھیل کے کنارے آ پہنچی۔ اسے دیکھتے ہی

رانی نے جھجک کر آداب کیا اور بولی۔

رانی: ملکہ حضور! یہ رہی وہ جھیل جس کا

میں نے آپ سے ذکر کیا تھا۔ اور یہ رہی میری

بیٹی موتی اور میری بھانجی پھول۔

ملکہ: اچھا! (درباریوں سے) اب شاید

سے آگے یہ راستہ پہاڑی کی طرف جاتا ہے۔

موتی: اور اس سے آگے؟

پھول: اور اس سے آگے کہیں بھی نہیں جاتا۔

موتی: تمہاری باتوں سے مجھے ڈر لگ رہا

ہے! خدا کرے کہ وہ لوگ جلدی یہاں آجائیں۔

وہ یہ باتیں کر رہی تھیں کہ سپاہی وہاں

آ پہنچے۔ بہادر نے دیکھتے ہی پھول کو پہچان لیا۔

وہ سیدھا اس کی طرف آیا اور کہنے لگا۔

بہادر: ارے پھول بیٹی! تم یہاں کیا کر رہی

ہو؟

پھول نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بولی

پھول: آپ واپس چلے جائیں۔ یہ راستہ بہت

خطرناک ہے۔

بہادر: تم بالکل ٹھیک کہتے ہو بیٹی! ہمارے

گھوڑے بھی آگے نہیں بڑھتے۔ وہ واپس جانا

چاہتے ہیں۔ لیکن ملکہ کا حکم ہے اس لیے ہم

آگے بڑھنے پر مجبور ہیں۔ خدا جانے کہ یہ

سفر کہاں جا کر ختم ہو گا۔ ختم ہو گا بھی یا نہیں۔

اتنے میں پیچھے آتے ہوئے لوگوں کی آوازیں

ملکہ : تمہیں ایک بار پھر میرا شکریہ ادا کرنا
پڑے گا۔ آج ہی تمہیں خالص سونے کی اشرفیوں
سے بھری ہوئی ایک ٹوکری، نخل کے بارہ جڑے
سنہری جوتے، گلابند اودھ بٹھ کی ہر انگلی کے لیے
میرے کی ایک ایک انگوٹھی انعام میں دی جائے گی
تمہیں یہ چیزیں چاہئیں ؟
پھول : جی نہیں شکریہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔
ملکہ : (حیرانی سے) کچھ نہیں چاہیے۔
پھول : میں صرف ایک انگوٹھی چاہتی ہوں۔ مجھے
آپ کی دس انگوٹھیاں نہیں، اپنی اور صرف اپنی انگوٹھی
چاہیے۔

ملکہ : تمہاری انگوٹھی ؟
پھول : جی ہاں ! میری انگوٹھی جو آپ نے میری
ہن موتی سے لی ہے۔
ملکہ : یہ کیا کہہ رہی ہے ؟
رانی : یہ بکواس کر رہی ہے حضور !
موتی : اس کے ہوش ٹھکانے نہیں ہیں۔
پھول : اچھا۔ تو یہ بات ہے میں سمجھ گئی
تمہاری ہال کو۔ تم جھوٹ بولتی رہی ہو۔ تم نے

تم لوگ جلد محل واپس جا سکو گے۔ ہمیں لڑکی مل
گئی ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ سردیوں میں چاندنی
کے پھول کہاں کھلتے ہیں۔
ملکہ نے پھول کو اپنے پاس بلایا اور پھر اسے
خود سے دیکھ کر بولی۔
ملکہ : میں تو سمجھی تھی کہ تم کوئی پونہ بھدی
سی لڑکی ہوگی لیکن تم تو بڑی پیاری لڑکی ہو۔
آپ کا کیا خیال ہے ماسٹر صاحب ؟
ماسٹر صاحب : میرا خیال یہ ہے ملکہ حضور کہ
اس پیاری لڑکی کو گرم کپڑوں کی سخت ضرورت
ہے۔ دیکھیے بے چاری سردی سے نیلی ہوئی جا
رہی ہے۔

ملکہ : آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ ہم ابھی
اسے ایک گرم چٹخہ اور ایک شال دیتے ہیں۔
یہ کہہ کر ملکہ نے اپنے خادم کو اشارہ کیا۔ خادم
فوراً گھنٹیوں کی طرف گیا اور ذرا سی دیر میں ایک
چٹخہ اور شال لے آیا۔ پھول نے چٹخے لے کر پہن
لیا اور شال اوڑھ لی اور پھر جھجک کر ملکہ کا
شکریہ ادا کیا۔

موتی : پیچھے حضور! یہ رہی وہ انگوٹھی۔

ملکہ : (انگوٹھی لے کر) یہ تو بڑی پیاری انگوٹھی

ہے۔ یہ تمہیں کہاں سے ملی؟

پھول : یہ ایک تحفہ ہے حضور!

ملکہ : کس نے دیا ہے؟

پھول : یہ میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔

ملکہ : تمہاری ہر بات پہلی معلوم ہوتی ہے

تم یہ انگوٹھی واپس لے سکتی ہو۔

پھول : شکریہ حضور! آپ کا بہت بہت شکریہ!

ملکہ : لیکن ابھی نہیں پہلے تمہیں وہ جگہ ہیں

دکھانی ہوگی جہاں سے کل تم نے پاندنی کے پھول

توڑے تھے۔ فوراً ابھی اسی وقت۔

پھول : تو پھر میں انگوٹھی نہیں لوں گی۔

ملکہ : نہیں لوگی تو میں اس کا قصہ ہی پاک

کیے دیتی ہوں۔ یہ لو۔ دیکھو۔ یہ جھیل میں جا رہی

ہے۔ اب بھی بتا دو کہ وہ پھول کہاں ہیں؟

پھول خاموش رہی تو ملکہ نے جھوٹ موٹ اپنا

بازو جھیل کی طرف لہرایا جیسے اس نے انگوٹھی جھیل

میں پھینک دی ہو۔ پھول رونے لگی۔

مجھ سے یونہی کہہ دیا تھا کہ انگوٹھی ملکہ نے لے لی ہے۔

رانی : (غصے سے) ہوش میں آؤ پھول۔ بکواس

مت کرو۔

ملکہ : ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ یہ انگوٹھی کا

کیا چکر ہے۔ لاؤ یہ انگوٹھی مجھے دے دو۔

رانی : (گھبرا کر) لیکن ملکہ حضور...

ملکہ : لیکن لیکن کچھ نہیں۔ فوراً انگوٹھی میرے

حوالے کر دو۔ نہیں تو اچھا نہیں ہوگا۔

رانی : لیکن وہ انگوٹھی تو اس وقت ہمارے

پاس نہیں ہے حضور!

موتی : ہم اُسے گھر میں ہی رکھ آئے تھے

حضور!

ملکہ : تو جاؤ اور بھاگ کر انگوٹھی لے آؤ۔

اور دیکھو۔ ہمیں زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑے۔

موتی : (گھبرا کر) ٹھہریے میں اپنی جیبیں

دیکھتی ہوں۔ ممکن ہے یہ انگوٹھی میری کسی جیب

میں ہی پڑی ہو۔

موتی نے جلدی جلدی جیبوں کی تلاشی لی اور

پھر ایک جیب سے انگوٹھی نکال کر ملکہ کو دے دی۔

کو اپنی اپنی پڑ گئی اور وہ اپنے آپ کو برف کے طوفان سے بچانے کی کوشش کرنے لگے۔ اسی افراتفری میں اچانک بگل کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی جنوری اور فروری کے بیٹے آئے اور پھول کو اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔

اس کے بعد تیز ہوا چلنی شروع ہو گئی اور ملک اور اس کے ساتھیوں کے لیے اپنے آپ کو بھاننا مشکل ہو گیا۔ وہ سب لٹو کی طرح ناپختہ لگے۔ سب کو اپنی اپنی فکر تھی۔ کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا۔ پھر برف اور تیز ہوا کا یہ طوفان ختم گیا۔ ہوا ختم گئی۔ سورج نکل آیا اور برف پگھلنے لگی۔ یہ گویا مارچ کا موسم تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اپریل کی بہار آ گئی۔

درخت سرسبز ہو گئے اور ہر طرف پھول ہی پھول نظر آنے لگے جن میں چاندنی کے پھول بھی تھے۔

ملکہ اور اُس کے ساتھیوں نے حیرانی سے یہ منظر دیکھا اور ملک بے ساختہ ہنسا اٹھی۔
ملکہ : بہار آ گئی۔

پھول : ہائے میری انگوٹھی۔
ملکہ : تم سمجھتی ہو کہ میں نے تمہاری انگوٹھی جھیل میں پھینک دی ہے ؟ نہیں۔ انگوٹھی میرے ہاتھ میں ہے۔ بتاؤ کہ چاندنی کے پھول کہاں ہیں ؟ میں تمہیں ایک اور موقع دیتی ہوں — اور یہ آخری موقع ہے۔

پھول : میں نہیں بتاؤں گی۔
ملکہ : تو انگوٹھی اور اس کے ساتھ اپنی زندگی کی بھی خیر مناد — پکڑ لو اسے۔
یہ کہہ کر ملکہ نے انگوٹھی جھیل میں پھینک دی اور اس کے ساتھ ہی سیاہی پھول کو پکڑنے کے لیے آگے بڑھے۔ لیکن انگوٹھی کے جھیل میں گرتے ہی پھول نے وہ گیت گانا شروع کیا جو اپریل نے اُسے بتایا تھا۔

چل دی مری انگوٹھی چل
ہو کے بہار کی وادی سے

جونہی پھول کا گیت ختم ہوا، برف کا طوفان شروع ہو گیا۔ چاروں طرف برف کے گالے اڑنے لگے۔ ملکہ، درباری، رانی، موتی، سپاہی، غرض سب

دیکھ دیکھ کر میراں بو رہے تھے۔ ان کی طرح ملکہ اور دوسرے درباری بھی حیرت کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

گرمی بڑھی تو ملکہ کے پیاس محسوس ہوئی اور وزیر اعظم نے پانی کا ایک گلاس لانے کا حکم دیا بہادر گلاس لے کر جھیل کے کنارے پہنچا تو آسمان پر بادل اُمنڈ آئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی اتنے میں بہادر پانی کا گلاس لے کر آ گیا۔

بہادر: یہ پانی لیجیے حضور!
ملکہ: اب میں کیا کروں۔ دیکھتے نہیں، میں خود بُری طرح جھینگ گئی ہوں۔ چھتری لاؤ، جلدی سے کوئی چھتری لاؤ۔

وزیر اعظم: یہاں چھتری کہاں سے آ سکتی ہے حضور! ہم محل سے جنوری میں چلے تھے اور اب اگست کا موسم ہے۔

راتنے میں اندھیرا ہو گیا اور بارش کے ساتھ ساتھ بڑے نور کی آندھی بھی چلنے لگی۔ ملکہ اور اس کے درباریوں نے جو گرم جُتے اور شال اتار پھینکے تھے، آندھی ان سب کو اڑا کر لے گئی۔

ماسٹر صاحب: یہ ناممکن ہے۔

ملکہ: کیسے ناممکن ہے؟ دیکھتے نہیں۔ درجنوں میں نئے پتے نکل رہے ہیں۔ ارے ہاں! وہ لڑکی کہاں ہے؟

رانی: وہ بھاگ گئی ہے حضور!
وزیر اعظم: سپاہیو! دوڑو۔ پکڑو۔ جانے نہ پائے۔
ملکہ: رہنے دو اب ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہمیں چاندنی کے پھول مل گئے ہیں۔ پلو سب لوگ جلدی سے اپنی اپنی ٹوکریاں بھرو۔
وزیر اعظم: لیکن ہمیں تو چاندنی کے پھول کہیں دکھائی نہیں دے رہے حضور!

ملکہ: ہیں! ابھی تو نظر آرہے تھے اور ابھی غائب ہو گئے! یہ کیا ہوا؟
اپریل کے بعد اب مئی کا موسم آ گیا تھا۔

سورج کی تپش تیز ہو گئی تھی۔
مئی کے بعد جُون کا موسم آیا۔ ملکہ اور اُس کے درباری جو بھاری بھر کم گرم لباس پہنے ہوئے تھے انہوں نے اتار کر پھینک دیئے۔ گرمی بڑھتی جا رہی تھی اور اب جولائی کا موسم آ چکا تھا ماسٹر صاحب:

ملکہ : (بیچ کر) چلو ذرا عمل واپس چلو بھتیوں کو یہاں لے آؤ۔

وزیر اعظم: موسلا دھار بارش سے راستے میں سخت کیچڑ ہو گئی ہے حضور! کیچڑ میں بھتیاں نہیں چل سکتیں۔ گھوڑوں پر بیٹھ کر ہی واپس جا سکتے ہیں۔

یہ سن کر سب درباری بھتیوں کی طرف بھاگے اور جس کے ہاتھ جو بھی گھوڑا لگا، اسی پر بیٹھ کر بھاگ گیا۔ ملکہ چیختی چلاتی رہی لیکن کسی نے اس کی نہیں سنی۔ کچھ دیر بعد وہاں یا تو خالی بھتیاں رہ گئیں یا رانی، موتی، بہادر، ملکہ اور ماسٹر صاحب باقی سب لوگ بھاگ گئے تھے۔

اب بارش ختم چکی تھی اور ہوا پھر سرد ہونے ہوئے لگی تھی۔ ہوائے ہوتے خزاں سے پھر سردی کا موسم آ گیا اور برف کے گالے ہوا میں اٹنے لگے۔ اس طرح ٹھوڑے ٹھوڑے سے وقفے میں بارہ مہینوں نے باری باری آ کر اپنا اپنا رنگ دکھا دیا تھا۔ سردی کے بعد بہار، پھر گرمی، پھر برسات، پھر خزاں اور پھر سردی آ گئی تھی۔ ملکہ



بہادر: حضور! یہ کیسی تیرہویں ہیں لیکن انہیں

پہنچنے کے لیے گھوڑا ایک بھی نہیں۔
ملکہ: گھوڑا ایک بھی نہیں! کہاں گئے سب

گھوڑے؟
بہادر: آپ کے درباری گھوڑوں پر بیٹھ کر

جاگ گئے ہیں۔
ملکہ: اچھا تو یہ سب نمک حرام نکلے کوئی

بات نہیں۔ میں ان کو ایسی سزا دوں گی کہ ان
کی سات پشتیں یاد رکھیں گی دیکھ سوچتے ہوئے لیکن
میں یہ سزا تو محل میں پہنچنے کے بعد ہی دے
سکتی ہوں۔

بہادر: کوئی آدمی آ رہا ہے حضور!
ملکہ: کہاں ہے؟ اسے! یہ تو کوئی بڑھا

ہے۔
ایک بوڑھا شخص آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا
اُن کے پاس آیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک موٹا
سافید ڈنڈا تھا۔ اُس نے لمبے لمبے بالوں کی سفید
ٹوپی پہن رکھی تھی اور اس کا ڈھیلا ڈھالا لمبا سا
چہنہ بھی سفید رنگ کا تھا۔ بالکل برف کی طرح۔

نے برف کے گالے اُڑتے ہوئے دیکھے تو کہنے لگی۔
ملکہ: ارے! یہ تو پھر سردی آگئی ہے۔

میرا چہنہ لاؤ مجھے سردی لگ رہی ہے۔
بہادر: چہنہ کہاں سے لاؤں حضور! آندھی
تو سب کپڑے اُڑا کر لے گئی ہے۔

ملکہ: ہائے! اب کیا کروں! اچھا ہماری
بگھی لاؤ۔

بہادر بگھی لینے چلا گیا تو رانی نے کہا۔
رانی: میں نے آپ سے پہلے ہی عرض کیا تھا
حضور کہ آپ کو جنگل میں نہیں جانا چاہیے۔
موتی: چاندنی کے پھولوں کے لیے مری جا رہی

تھیں۔
ملکہ: اور تم اشرافیوں کے لیے دیوانی ہو رہی
تھیں۔ لیکن تمہیں میرے ساتھ گستاخی سے نہیں
بولنا چاہیے؟ تمہیں معلوم نہیں اس کی سزا کیا ہے؟
میں ابھی تمہارا سر قلم کرا سکتی ہوں۔

رانی: میری بیٹی نادان ہے حضور! اسے
خیال نہیں رہا تھا۔ آپ اسے معاف کر دیجیے
اتنے میں بہادر واپس آ گیا۔

پاس ہر چیز موجود ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟

ملکہ : میں تو بس یہی چاہتی ہوں کہ محل میں واپس پہنچ جاؤں۔ لیکن ہمارے پاس ابھی کو کھینچنے کے لیے گھوڑے نہیں ہیں۔ اور کچھ نہیں تو ہمیں کوئی گدھا ہی مل جائے جو ابھی کو کھینچ سکے۔

جنوری : تمہیں گدھا مل جائے گا (ماسٹر صاحب) اور تمہاری کیا خواہش ہے؟

ماسٹر صاحب : میں چاہتا ہوں کہ ہر چیز اپنی اپنی جگہ پر ہو جائے۔ سردیوں میں سردی اور گرمیوں میں گرمی۔

جنوری : اس کا بندوبست ہو جائے گا (بہادر) اور تم کیا چاہتے ہو؟

بہادر : میں؟ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ آگ تاپ کر ذرا اپنے آپ کو گرم کر لوں۔

جنوری : یہاں قریب ہی آگ جل رہی ہے۔ تم وہاں آگ تاپ سکو گے۔

موتی : (جلدی سے) اور ہمیں دو گرم لباس چاہئیں ایک مجھے، ایک اماں کو۔

یہ جنوری کا مہینا تھا۔ اس نے ملکہ سے کہا۔

جنوری : تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟

ملکہ : چاندنی کے پھول اکٹھے کرنے۔

جنوری : یہ تو چاندنی کے پھولوں کا موسم نہیں ہے۔

ماسٹر صاحب : آپ بالکل درست فرماتے ہیں۔

ملکہ : واقعی ہم غلط موسم میں یہاں آگئے ہیں۔

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ہم یہاں سے واپس کیسے جائیں؟

جنوری : جس طرح تم یہاں آئے تھے۔

بہادر : ہم یہاں ابھیوں میں آئے تھے۔ اب

صرف گھنٹیاں رہ گئی ہیں اور گھوڑے جا چکے ہیں۔

آپ تو اس جنگل سے اچھی طرح واقف معلوم ہوتے ہیں۔

جنوری : ہاں ! لیکن صرف سردیوں میں۔

ملکہ : تو پھر ہماری مدد کیجیے بابا ! میں آپ

کو بہت بھاری انعام دوں گی۔ سونا، چاندی

میرے، خواہرات۔

جنوری : مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ میرے

جنوری: آپ کی ملکہ نے مجھ سے مرث ایک
جائزہ کی خواہش کی تھی اور وہ پوری ہو گئی ہے۔
ملکہ: چلو کوئی بات نہیں۔ اب اس کو
جلدی سے بگٹی میں جوت دو۔
بہادر نے گدھے کا کان پکڑا اور اسے اُس
طرف لے گیا۔ جہاں بگیاں کھڑی تھیں۔ اُس نے
گدھے کو ملکہ کی بگٹی کے آگے جوتا اور پھر اُسے
ہانک کر ملکہ کے پاس لے آیا۔ ملکہ بگٹی میں بیٹھ
گئی۔ اس کے ساتھ ماسٹر صاحب بیٹھے۔ آگے
کوچوان کی نشست پر بہادر بیٹھ گیا۔
جنوری: یہ تمہاری مئے سال کی سواری ہے
گھوڑوں والی بگٹی میں تو تم لوگوں نے اکثر سواری
کی ہوگی لیکن گدھے والی بگٹی میں سواری کرنے کا
موقع تمہیں کبھی نہیں ملا ہوگا۔ (بہادر سے) اور
وہ دیکھو کچھ فاصلے پر روشنی نظر آ رہی ہے۔
اس طرف جاؤ۔ وہاں آگ جل رہی ہے۔ وہاں
تم آگ تپ سکو گے۔ اس طرح تمہاری خواہش
بھی پوری ہو جائے گی۔
یہ کہہ کر جنوری اپنے ڈنڈے سے کھٹکھٹ

یہ سن کر جنوری نے اپنے چنے کے اندر ہاتھ
ڈالا اور دو پوستیں نکال کر موتی کی طرف بڑھائیں۔
جنوری بولیہ تم دونوں کے لیے۔
رانی: (ناک بھونچا ہوا) مناف کرنا بابا!
ہمیں یہ گدھے اور گتے کی کھال والی پوستیں نہیں
چاہئیں۔
جنوری: یہ تمہیں لینا پڑیں گی۔ تم اسی قابل ہو۔
رانی نے مجبور ہو کر پوستیں لے لی۔ یہ بڑی
تھی اور اس پر گدھے کی کھال لگی ہوئی تھی۔ موتی
نے دوسری پوستیں لے لی۔ یہ چھوٹی تھی اور اس
پر گتے کی کھال لگی ہوئی تھی۔ لیکن جیسے ہی انہوں
نے یہ پوستیں پہنیں، رانی گدھا بن گئی اور موتی
گتا۔ گدھا رینگنے لگا اور گتا بھونکنے لگا۔ یہ دیکھ
کر ملکہ حیران بھی ہوئی اور خوش بھی۔ وہ بولی۔
ملکہ: بس اب کام بن گیا۔ اس گدھے کو
پکڑ کر بگٹی میں جوت دو۔
بہادر: (جنوری سے) کاش آپ نے اس
گتے کو بھی گدھا ہی بنا دیا ہوتا۔ کم از کم دو
گدھے تو ہو جاتے بگٹی کھینچنے کے لیے۔

کرتا ہوا ایک طرف کو چل دیا۔ بہادر نے گدے
کو دو تین چھڑیاں لگائیں تو وہ آہستہ آہستہ چلنے
لگا۔ گستا بھی خاموشی سے بگھی کے پیچھے پیچھے
ہو گیا۔

پھول کی بگھی

جنگل میں بارہ مہینے الاؤ کے گرد بیٹھے تھے۔ ان
کے قریب ہی پھول بیٹھی آگ تاپ رہی تھی۔ ہر
مہینا تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد الاؤ میں کچھ لکڑیاں
پھینکتا اور پھر وہ سب مل کر گانے لگتے۔

اے آگ تیز اور تیز جل

شعلہ ترا او سچا رہے

جنوری: پھول بیٹی! تم بھی کچھ لکڑیاں ڈال
دو اس آگ میں۔

پھول: (چند لکڑیاں اٹھا کر آگ میں ڈالتے ہوئے)
اے آگ تیز اور تیز جل

شعلہ ترا او سچا رہے

جنوری: اب تو تمہیں سردی نہیں لگ رہی

ہو گی۔
پھول: نہیں۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں بابا!
میں آپ کی بہت احسان مند ہوں۔ آپ نے دوبار
میری جان بچائی ہے۔ لیکن میں آپ سے شرمندہ
بھی بہت ہوں۔ مجھ سے وہ انگوٹھی گم ہو گئی
ہے۔

اپریل: انگوٹھی گم ہو گئی ہے؟ سچ سچ؟ بھلا
بتاؤ تو یہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟
پھول: (حیرانی سے) ارے! یہ تو وہی انگوٹھی
معلوم ہوتی ہے۔

اپریل: ہاں! یہ وہی انگوٹھی ہے۔ اسے پہن
لو۔ یہ ستر مصیبت میں تمہاری امداد کرے گی۔
پھول: (انگوٹھی انگلی میں پہنتے ہوئے) میں کتنی
خوش قسمت ہوں کہ یہ انگوٹھی مجھے واپس مل گئی ہے
لیکن مجھے اسے گھر لے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔
کہیں غالہ اور موتی پھر نہ چھین لیں۔

جنوری: نہیں اب کوئی تم سے یہ انگوٹھی نہیں
چھینے گا۔ تم اپنے گھر جاؤ گی اور اس گھر کی مالکہ
بن کر رہو گی۔ ہم ہر سال تمہارے ہاں آیا کریں گے۔

مئی: اور تمہارے لیے تحفے لایا کریں گے۔
اتنے میں جنوری نے دسمبر کو کچھ اشارہ کیا۔
دسمبر اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک طرف کو چلا گیا۔
تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے سر پر
ایک بڑا سا صندوق تھا۔ اس نے وہ صندوق
لا کر پھول کے قریب رکھ دیا۔

جنوری: لو! یہ صندوق تمہارے لیے ہے۔
فروری: اس کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھو۔
پھول نے صندوق کا ڈھکنا اٹھایا تو دیکھتی کی
دیکھتی رہ گئی۔ صندوق میں قسم قسم کے تحفے، سونے
اور چاندی کے تاروں سے کڑے ہوئے اٹلس اور
کنوٹ کے جوڑے اور بہت سے سنہری جوتے رکھے
ہوئے تھے۔ ان کی چمک دمک سے پھول کی
آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہو گئی۔

پھول: ہائے اشد! ایسے قیمتی اور شاندار
لباس تو ملک کے پاس بھی نہیں ہیں۔
دسمبر: تم ذرا پہن کر تو دیکھو!
پھول نے صندوق میں سے ایک جوڑا اٹھایا اور
پہن لیا۔ پھر اس نے سنہری جوتے اٹھائے اور

جنوری : بہت خوب ! بہت خوب ! ان گھوڑوں کا تو جواب نہیں۔ جیسی شان دار گتھی ہے ویسے ہی شان دار گھوڑے ہیں۔
مارچ : لیکن گتھیوں کے بغیر سفر کا مزا کیا آئے گا۔ ٹھہرو میں گتھی میں چاندی کی گتھیاں لگا دیتا ہوں۔ گھوڑے دوڑیں گے تو گتھیاں بچیں گی اور بڑا لطف آئے گا۔

یہ کہہ کر مارچ اٹھا اور ایک طرف کو چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں چاندی کی بہت سی گتھیاں تھیں، یہ گتھیاں اُس نے گتھی کے چاروں طرف لگا دیں اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔
جنوری : اب تو یہ گتھی بہت ہی شاندار ہو گئی ہے۔

دسمبر : میں یہ صندوق بھی اس گتھی میں رکھ دیتا ہوں۔
یہ کہہ کر دسمبر نے صندوق کو بند کیا اور اسے گتھی کے پچھلے حصے میں رکھ کر اپنی جگہ آن بیٹھا۔

پاؤں میں ڈال لیے۔ اس کے بعد اُس نے ایک چٹخہ اٹھا کر پہن لیا۔
اپریل : تم اس لباس میں بالکل شہزادی لگتی ہو چھوٹ ! ملکہ تو تمہارے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ضروری : لیکن اس لباس اور ان جوتوں کے ساتھ جنگل میں سفر کرنا بڑی زیادتی ہے۔ ٹھہرو۔ میں تمہیں ایک گتھی لا کر دیتا ہوں۔

یہ کہہ کر ضروری اٹھا اور ایک طرف کو چلا گیا تھوڑی دیر بعد وہ ایک خوب صورت سی گتھی کھینچتا ہوا لے آیا۔
جنوری : یہ گتھی تو بہت شاندار ہے۔ عام گھوڑے تو اس میں جوتے نہیں جا سکتے۔
مئی : اس کی فکر نہ کرو بھیا ! میں ابھی گھوڑے لاتا ہوں۔

یہ کہہ کر مئی اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک طرف کو چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اُس کے ساتھ چار نہایت خوب صورت سفید رنگ کے گھوڑے تھے۔ یہ گھوڑے اُس نے گتھی میں جوت دیے اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔

نے سپاہی سے وعدہ کیا ہے کہ وہ یہاں آگ
تاپے گا۔

پھول : اُسے ضرور آگ تاپ لینے دیجیے بابا!
وہ بہت نیک دل آدمی ہے۔ کل اُس نے لکڑیاں
چننے میں میری مدد کی تھی۔ آج اُس نے سردی
سے بچنے کے لیے مجھے اپنے دستانے دے
دیے تھے۔

جنوری : (دوسرے مہینوں سے) کیا خیال ہے
تھارا بھائیو؟
دسمبر : اگر تم نے وعدہ کیا ہے تو ٹھیک ہے۔
اکتوبر : لیکن سپاہی اکیلا نہیں ہے۔
مارچ : ہاں۔ اس کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی
ہے، ایک لڑکی ہے، ایک گدھا ہے اور ایک
کتا بھی۔

پھول : بوڑھا آدمی بھی بہت نیک آدمی ہے۔
جنوری : تم ٹھیک کہتی ہو پھول بیٹی! وہ بوڑھا
اچھا آدمی ہے۔ ہم اُسے بھی آگ تاپنے کی
اجازت دے دیں گے۔ لیکن باقی لوگوں کے بارے
میں کیا خیال ہے؟ وہ لڑکی تو بہت بد دماغ اور

راتنے میں کچھ فاصلے پر گدھے کے رینگنے لگے
کے بھونکنے اور بھٹی کے پیتوں کی کھڑکھڑ کی
آوازیں آئیں۔ اور تھوڑی دیر بعد انسانی آوازیں
بھی آنے لگیں۔ پھول نے فوراً پہچان لیا۔ یہ آوازیں
ملکہ، بہادر اور ماسٹر صاحب کی تھیں۔
ملکہ کی آواز : جلدی کرو! تیز تیز دوڑاؤ
اس کم بخت گدھے کو۔

ماسٹر صاحب کی آواز : سردی سے جان نکلی
جا رہی ہے اور یہ گدھا چلنے کا نام ہی نہیں لیتا۔
بہادر کی آواز : یہ نامراد کتا بھونک بھونک
کر اسے اور بھی پریشان کر رہا ہے۔
پھول سوچنے لگی کہ ملکہ کے پاس گدھا اور کتا
کہاں سے آ گئے! اُس کی بھٹی میں تو گھوڑے
جتنے ہوئے تھے۔

پھول : یہ تو ملکہ اور اس کے آدمیوں کی
آوازیں ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ یہ گدھا اور کتا
کہاں سے آ گئے؟

جنوری : تمہیں ابھی پتا چل جائے گا۔ اور ہاں
بھائیو! اس آگ میں ذرا اور لکڑیاں ڈال دوئیں

مغزور معلوم ہوتی ہے۔
پھول : آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن اب اس
کا سارا غرور خاک میں مل گیا ہے۔ آپ اس کی
آواز نہیں سنتے ؟ اس سے کیسی مسکینی ٹپک رہی
ہے۔

اتنے میں ملک کی بگھی ان کے پاس آ گئی۔ بہادر
نیچے اُترا اور الاؤ کی طرف آیا۔
بہادر : واقعی یہاں آگ نکل رہی ہے۔ بابا
نے ٹھیک ہی کہا تھا (نور سے) بھائیو ! اجازت
ہو تو میں ذرا آگ تاپ لوں۔

جنوری : آجاؤ بھائی ! آجاؤ تمہیں اجازت ہے۔
بہادر : (جنوری کو پہچانتے ہوئے) ارے بابا
آپ !۔ اجازت ہو تو میں ملک اور ان کے ماسٹر
صاحب کو بھی لے آؤں۔

جنوری : اگر تمہاری یہ خوشی ہے تو ہمیں کوئی
اعتراض نہیں۔

بہادر بگھی کے پاس گیا اور جھکتے ہوئے بولا۔
بہادر : باہر تشریف لے آئیے ملک عالیہ۔
آپ بھی باہر آ جائیے ماسٹر صاحب۔

ملکہ : میں تو حرکت ہی نہیں کر سکتی۔ اتروں

کیسے ؟
بہادر : میں آپ کو سہارا دیتا ہوں۔ آگ تاپنے
کے بعد آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔
بہادر نے سہارا دے کر ملک کو نیچے اتارا اور
پھر اُسے الاؤ کے قریب لے کر بٹھا دیا۔ ماسٹر
صاحب بھی جھکتے ہوئے بگھی سے اُترے اور
آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے الاؤ کے پاس
آ کر بیٹھ گئے۔

اب جو ان لوگوں کی نظر پھول پر پڑی تو
دیکھنے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔ انہیں اپنی آنکھوں
پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

ملکہ : (ماسٹر صاحب سے) ماسٹر صاحب !
یہ وہی لڑکی ہے جس نے چاندنی کے پھول توڑے
تھے ؟

ماسٹر صاحب : ہاں ملک عالیہ ! یہ وہی لڑکی ہے۔
بہادر : (پھول سے) یہ ہماری تیسری ملاقات
ہے پھول بیٹی ! ایمان کی بات تو یہ ہے کہ میں
تو تمہیں دیکھ کر پہچان بھی نہیں سکا۔ اس لباس میں

تو تم بالکل ملکہ نظر آ رہی ہو۔

ملکہ : (غصے سے دانت پیتے ہوئے) تم کیا کہہ رہے ہو بہادر! میں تمہیں سخت سزا دوں گی۔ جنوری : اتنا غصہ نہ دکھاؤ لڑکی! سپاہی ہمارا مہمان ہے اور تم اس کے ساتھ آئی ہو۔

ملکہ : (غصے سے پیر زمین پر مارتے ہوئے) میں لڑکی نہیں، ملکہ ہوں ملکہ — اور میں اس سپاہی کو اپنے ساتھ لاتی ہوں۔

جنوری : نہیں تم اسے ساتھ نہیں لائیں۔ یہ تو جہاں چاہے جا سکتا ہے اور تم اس کے بغیر بل بھی نہیں سکتیں — ایک قدم بھی نہیں چل سکتیں۔

ملکہ : اچھا تو میں جاتی ہوں۔

جنوری : یہ خیال نہ کرنا کہ ہم تمہیں روکنے کی کوشش کریں گے۔

ملکہ : (بہادر سے) بہادر! چلو بگھی جو تو ہم جا رہے ہیں۔

بہادر : کچھ دیر اور ٹھہر جائیے حضور! — ابھی تو سردی سے آپ کے دانت بچ رہے ہیں۔ ذرا

دیر آگ تپ کر ہم روانہ ہو جائیں گے۔

یہ کہہ کر بہادر نے ادھر ادھر دیکھا تو اُسے وہ شان دار بگھی دکھائی دی جس میں چار خوبصورت سفید گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ اُس نے کہا۔

بہادر : یہ بگھی اور گھوڑے تو بہت شاندار ہیں۔ ان کا مالک کون ہے؟

جنوری : (پھول کی طرف اشارہ کر کے) یہ لڑکی۔ بہادر : مبارک ہو پھول بیٹی! مبارک ہو! بہادر نے گدھے کو کھول دیا تھا۔ وہ بھی

الاؤ کے پاس آ گیا اور پھول کی طرف منہ کر کے زور زور سے رینگنے لگا۔ اس کی دیکھا دیکھی کتے نے بھی بھونکنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر بہادر نے دونوں کے وودو ڈنڈے لگاتے اور بولا۔

بہادر : خاموش شیطانو! چلو ہٹو یہاں سے۔ مار کھا کر گدھا اور کتا چپ چاپ بیٹھ گئے۔

اور عجیب سی نظروں سے پھول کو دیکھنے لگے۔ پھول : (سوچتے ہوئے) ایسا لگتا ہے جیسے

میں نے ان کی آواز پہلے بھی کہیں سنی ہے۔

بہادر : یقیناً سنی ہو گی۔ تم ان کے ساتھ ایک

ہی گھر میں رہتی رہی ہو نا۔

پھول: لیکن ہمارے گھر تو کوئی گدھا یا کتا نہیں تھا۔

بہادر: انھیں ذرا قریب سے دیکھو پھر تم انھیں پہچان جاؤ گی۔

یہ سن کر پھول اٹھی اور گدھے اور کتے کے قریب جا کر انھیں غور سے دیکھنے لگی۔ اُس نے جلد ہی دونوں کو پہچان لیا۔

پھول: (حیرانی سے) میرے خدا! یہ تو رانی اور موتی ہیں۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان گدھا یا کتا بن جائے! کسی نے ان پر جاؤ کیا ہے؟

جنوری: نہیں بیٹی! کسی نے ان پر جاؤ نہیں کیا۔ انھیں اپنے بڑے کاموں کی سزا ملی ہے۔ یہ ان زیادتیوں کا بدلہ ہے جو یہ تمھارے ساتھ کرتی رہی ہیں۔

پھر جنوری نے پھول کو سارا واقعہ سنایا۔

پھول: کیا یہ ہمیشہ ایسی ہی رہیں گی؟

جنوری: نہیں یہ دونوں صرف تین سال تک اس

حالت میں رہیں گی۔ گدھا تمھاری کڑیاں اور سامان ڈھویا کرے گا۔ اور کتا تمھارے گھر کی رکھوالی کریگا اگر تین سال تک یہ نیک بنے رہے اور انھوں نے تمھیں پریشان نہیں کیا تو تم اکتیس دسمبر کی شام کو انھیں یہاں لے آنا۔ ان کی پوستیں ان کے جسم سے اتار دی جائیں گی اور یہ پھر انسان بن جائیں گے۔

ماسٹر صاحب: اور اگر ان تین سالوں میں بھی یہ ٹھیک نہ ہوں گی؟

جنوری: تو پھر تین سال اور سہی۔

بہادر: جو انسان ہو کر اپنے آپ کو نہیں سدھار سکتا، وہ حیوان ہو کر اپنے آپ کو کہاں سدھارے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمیشہ اسی روپ میں رہیں گی۔

پھول: (جنوری سے) آپ ایسا نہیں کر سکتے کہ اس وقت ہی ان کو انسان بنا دیں؟ انھیں گدھے اور کتے کی شکل میں دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔

جنوری: تمہیں اس لیے دکھ ہوتا ہے کہ تم

بہادر : ہم خود بھی جانا چاہتے ہیں بابا ! لیکن اس گدھے کے ساتھ شاید ایک سال میں بھی گھر نہ پہنچ سکیں۔ یہ چلتا کم ہے اور رینکا زیادہ ہے۔ جنوری : ہم کیا کر سکتے ہیں ؟ تمہاری ملکہ نے کبھی کھینچنے کے لیے گدھا مانگا تھا سو اُسے مل گیا۔ ملکہ : لیکن یہ جانور تو ہمیں گھر نہیں پہنچا سکے گا۔ ہاں اس چار گھوڑوں والی گھٹی میں جگہ مل جائے تو بات بن سکتی ہے۔ جنوری : تم اس کی ملکہ سے درخواست کرو۔ وہ چاہے تو تمہیں بٹھا سکتی ہے۔ ملکہ : مجھے درخواست کرنا نہیں سکھایا گیا۔ میں صرف حکم دے سکتی ہوں۔ میں ملکہ ہوں۔ فروری : اچھا ! تو تم ملکہ ہو ؟ اور یہ بوڑھا کون ہے ؟

ملکہ : یہ میرے ماسٹر صاحب ہیں۔ فروری : (ماسٹر صاحب سے) تم کیسے استاد ہو کہ اسے یہ بھی نہیں سکھا سکے کہ درخواست کیسے کی جاتی ہے۔ ماسٹر صاحب : اس کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

نیک دل ہو۔ لیکن خدا نخواستہ تم گدھا یا گھٹا بن جائیں تو انہیں خوشی ہوتی۔ پھول : کچھ بھی سہی وہ میری خالہ اور بہن ہیں۔ آپ تھربانی کیجیے اور انہیں پھر ویسا ہی انسان بنا دیجیے۔ جنوری : تم نادان ہو پھول بیٹی ! بالکل نادان تمہیں اپنے بڑے بھلے کا کچھ پتا نہیں۔ ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ تمہاری بھلائی کے لیے کیا ہے۔ یہ تین سال انہیں گدھے اور گھٹے کی حالت میں ہی گزارنے دو۔ اگر انہوں نے اس مدت میں اپنے آپ کو سدھار لیا تو ہم پھر انہیں ان کی اصلی حالت پر لے آئیں گے۔ اس سے پہلے ہرگز نہیں۔

پھول : اگر اس میں میری بھلائی ہے تو پھر میں کچھ نہیں کہوں گی۔ ویسے مجھے اُمید ہے کہ تین سال کے اندر اندر یہ ضرور اپنے آپ کو سدھار لیں گی۔

جنوری : اچھا ! اب تم لوگوں کو یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ ہمیں اپنا کام کرنا ہے۔

لیکن اس میں میرا تصور نہیں ہے۔ ملکہ عالیہ نے وہی کچھ سیکھا ہے جو کچھ وہ سیکھنا چاہتی تھیں۔

ملکہ: خیر ماسٹر صاحب! اب اس بات کو جانے دیجیے۔ میں آج ایک ہی دن میں اتنا کچھ سیکھ گئی ہوں کہ آپ کئی سالوں میں بھی نہیں سیکھ سکتے۔

یہ کہہ کر وہ پھول کی طرف مڑی اور کہنے لگی۔ ملکہ: دیکھو لڑکی! تم ہمیں اپنی گتھی میں بٹھا کر لے چلو۔ ہم تمہیں بہت سا انعام دیں گے۔ پھول: آپ کا شکریہ ملکہ عالیہ! مجھے آپ کے انعام کی ضرورت نہیں۔

ملکہ: دیکھا! اس نے انکار کر دیا ہے۔ میں پہلے ہی کتنی سختی۔

فزوری: لیکن تم نے صحیح طریقے سے درخواست ہی کب کی ہے۔

ملکہ: تو اور کیسے کروں؟ آپ بتائیے ماسٹر صاحب! ماسٹر صاحب: آپ یوں کیسے حضور! کہہ..... مہربانی کر کے ہمیں اپنی گتھی میں بٹھا کر گھر پہنچا دیجیے۔ ملکہ: میں آپ کا مطلب سمجھ گئی ہوں۔

یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر پھول کی طرف مڑی اور اُس سے بولی۔

ملکہ: مہربانی کر کے ہمیں اپنے ساتھ لے چلیے! ہم سردی سے مرے جا رہے ہیں۔

پھول: میں آپ سب کو اپنے ساتھ لے چلوں گی اور آپ کو گرم چنے بھی دوں گی۔ میرے صندوق میں کافی چنے ہیں۔ ابھی نکال کر لاتی ہوں۔

پھول گتھی کی طرف گئی اور صندوق میں سے تین چنے نکال لائی۔

پھول: یہ لیجیے۔ اور یقین رکھیے کہ میں انہیں واپس نہیں لوں گی۔

ملکہ نے ایک چنے ماسٹر صاحب کو دے دیا اور ایک بہادر کو اور تیسرا خود پہن لیا۔

بہادر: پھول بیٹی! تم بہت ہی نیک لڑکی ہو۔ ملکہ نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اس کے بدلے میں تم بھی ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کر سکتی تھیں۔ لیکن تم نے ان کی بڑائی کا جواب بھلائی سے دیا۔ اسی طرح تمہاری

خالہ اور بہن تم پر ظلم توڑتی رہی ہیں لیکن تم اب

میں لگی ہوئی چاندی کی گھنٹیاں سن سن بجنے لگیں۔
اس کے بعد جنوری نے ملکہ کی ہانسی میں گدھے
کو جوتا اور گتے کو پکڑ کر ہانسی میں بٹھا دیا اور
پھر انھیں بھی اسی راستے پر ڈال دیا۔
اپنے مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد بارہ
مہینے پھر اپنے الاؤ کے گرد بیٹھ گئے اور ملک
ملک کر گانے لگے۔

اے آگ تیز اور تیز جل
شعلہ ترا اونچا رہے
اے آگ روشن ہو ذرا
کر گرم سردی کی ہوا
گرمی کے پھرنے کو نکھار
دنیا میں لے کر آ بہار

اے آگ تیز اور تیز جل
شعلہ ترا اونچا رہے
اے آگ تیز اور تیز جل
یہ برف سب جائے پھل
سرسبز ہوں سب بھاڑیاں
آگ آئیں پھر پھول اور پھل

بھی اُن کے ساتھ نیک کرنا چاہتی ہو۔ کاش وہ
بھی تمہاری طرح نیک ہوتیں۔
جنوری: پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوا کرتیں
سپاہی میاں!
بہادر: اب ہمیں اجازت دو بھائیو! خدا حافظ۔
جنوری: ذرا سنبھل کر بیٹھنا۔ ہمارے گھوڑے
بہت تیز ہیں۔ آئندہ جھپکتے میں کہیں سے کہیں
لے جائیں گے۔

پھول: لیکن میری خالہ اور بہن کا کیا بنے گا؟
جنوری: ان کی فکر نہ کرو پھول بیٹی! انھیں
تمہارے گھر پہنچا دیا جائے گا۔
پھول: اچھا! خدا حافظ۔ میں آپ لوگوں کو
کبھی نہیں بھولوں گی۔
ملکہ: اور میں بھی کبھی نہیں بھولوں گی۔

ماسٹر صاحب: اور ملکہ حضور! آپ بھولیں گی بھی تو
میں یاد دلا دیا کروں گا۔
پھول: ملکہ اور ماسٹر صاحب بگتی میں بیٹھ گئے۔
بہادر آگے کوچوان کی نشست پر جا بیٹھا اور اُس
نے گھوڑوں کو اشارہ کیا تو وہ ہوا ہو گئے۔ بگتی

اے آگ تیز اور تیز جل
شعلہ ترا اونچا رہے
اے آگ تیز اور تیز جل
کردے سنہری کھیتیاں
سونا ہی سونا کھیت ہوں
گندم کی جھوہیں بالیاں
اے آگ تیز اور تیز جل
شعلہ ترا اونچا رہے

Farooq Library
IV-B-4/3 Nazimabad
Karachi

بچوں کے لیے دلچسپ ناول

عالی پریکشاگری؟	قزاقوں کی وادی	ٹارڈن
پناگو کے کارنامے	شاہین اور دشمن درندے	ٹارڈن کی والہی
سلیم کی آپ بیتی	قیدی	ٹارڈن اور درندے
محمود پر کیا بیتی	مہرین کا حملہ	ٹارڈن کا بیٹا
خزانے کا راز	یونے اور دیو	بادشاہ کا خواب
ایک بچہ، ایک چور	گرہ کٹ	پڑا سر اور جزیرہ
گوریلا	نرگس	نوشیرواں کی بیٹی
پانچ لاکھ	اندھیرا غار	امیر حمزہ میدان جنگ میں
سندھین کا خزانہ	ٹون کی ہولی	امیر حمزہ کوہ قاف میں
چھنگڑیاں کے کارنامے	چاندی کے چور	کالا جزیرہ
ویران محل	کشمیر کی بیٹی	نورا
راہن کر و سو	دو تہیم	منشوس قلعہ
دشمن کی سازش	نجم کی سرگزشت	چاند پر پہلا آدمی
شاہین کی والہی	بارہ بھائی	دنیا کا سفر
سلیمانی خزانہ	وہ کیا راز تھا؟	پڑا سر اور آبدوز
نیل طوطا	بھوت بنگلہ	ہاتھی وراثت کے چور
سرکس کا ہاتھی	غیبی انسان	دولت پور میں
ایک ٹانگہ کا آدمی	میرا نام منگو ہے	کیا وہ خواب تھا؟
کالا ناگ	شاہین حجاز جنگ پر	ٹونی جزیرہ

